پہلی اساس کتاب اللہ العزیز

پروردگار عالم کے کلام قرآن پاک کی بہت سی آیات اس کتاب کی اتباع اور تمسک کے وجوب وفرضیت اور اس حدود کے پاس وقوف اور رک جانے پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیآء قلیلاً ما تذکرون ﴾ (الاعراف:۳)

''تم لوگ اس کی اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے'' (بیان القرآن)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وھذا کتب انزلناہ مبارک فاتبعوہ واتقوا لعلکم ترحمون ﴾ (الانعام:۱۵۵)

''اور یہ کتاب جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر وبرکت والی ہے، سو اس کی اتباع کرو اور ڈرو تا کہ تم پر رحمت ہو''

اور دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام ویخرجھم من الظلمت الی النور باذنہ ویھدیھم الیٰ صراط مستقیم ﴾ (المائدۃ : ۱۵،۱۶)

''تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک واضح کتاب کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو کہ رضائے حق کے طالب ہوں، سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو راہ راست پر قائم رکھتے ہیں''

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

﴿ ان الذین کفروا لما جاء ھم وانہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید ﴾ (حٰم السجدۃ : ۴۱،۴۲)

''جو لوگ اس قرآن کا، جب کہ وہ ان کے پاس پہنچتا ہے، انکار کرتے ہیں اور یہ بڑی باوقعت کتاب ہے جس میں غیر واقعی بات ہے نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے، یہ اللہ حکیم محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے''

اور اللہ کریم فرماتے ہیں کہ:

﴿ واوحی الیّ القرء ان لأنذرکم بہ ومن بلغ ﴾ (الانعام : ۱۹)

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہیے) اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تا کہ میں اس قرآن کے ذریعے سے تم کو اور جس کو یہ قرآن پہنچے، سب کو ڈراؤں''

اور فرمان الٰہی ہے کہ:

﴿ ھذا بلاغ للناس ولینذروا بہ ﴾ (ابراہیم : ۵۲)

''یہ لوگوں کے لیے احکام کا پہنچانا ہے اور تا کہ اس کے ذریعے سے ڈرائے جاویں''

قرآن حکیم میں اس معنی اور مفہوم کی بہت سی آیات ہیں، علاوہ ازیں بہت سی صحیح احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ جن میں قرآن پاک کی اتباع اور اس کے تمسک کا حکم دیا گیا ہے اور جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس نے قرآنی احکام پر عمل کیا وہ ہدایت یافتہ ہوا اور جس نے ان احکام سے منہ موڑا وہ گمراہ ہوا۔

ان احادیث میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں وہ خطبہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر دیا، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« انی تارک فیکم مالن تضلوا ان اعتصمتم به کتاب الله » (رواہ مسلم)

''میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جارہا ہوں، اگر تم اس پر عامل رہے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے، وہ کتاب اللہ ہے''

اور صحیح مسلم ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسری روایت مروی ہے:

عن زید بن ارقم رضی اللّٰه عنه أن النبی ﷺ قال : « انی تارک فیکم ثقلین أولهما کتاب الله فیه الهدی والنور فخذ وا بکتاب الله وتمسکوا به وأهل أذکر الله فی اهل بیتی أذکرکم الله فی اهل بیتی »

''زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو قیمتی اور نفیس چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، ان دونوں میں سے پہلی کتاب اللہ ہے، جس میں ہدایت اور نور ہے، پس تم کتاب اللہ کو پکڑ لو اور اس پر مضبوطی سے عمل کرو اور دوسری اہل بیت، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں'' ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ فی القرآن ﴾ اور ''وہ اللہ کی رسی ہے'' جس نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا، ہدایت یافتہ ہوا، اور جس نے اسے چھوڑ دیا وہ گمراہ ہوا۔

اس موضوع پر احادیث بہت زیادہ ہیں، اور اس سلسلے میں ان دلائل کو طوالت سے ذکر کرنے کے مقابلے میں جو کہ قرآن پر عمل کے وجوب کو ثابت کرتے ہیں، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک اہل علم اور اہل ایمان کا اس بات پر اجماع کافی وشافی ہے کہ نہ صرف کتاب اللہ پر عمل واجب ہے بلکہ تمام امور میں کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے فیصلے ہونگے اور حاصل کئے جائیں گے اور کتاب وسنت ہی کی حکمرانی ہوگی

دوسری اساس سنت رسول اللہ ﷺ

تین متفق علیہ اصولوں میں سے دوسری اصل اور بنیاد وہ ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ سے آپ کے اقوال یا افعال یا تقریر کی شکل میں صحیح طریقے سے ثابت ہے، اسی کا نام ''حدیث'' ہے اور اسے ہی ''سنت'' کہا جاتا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک تمام اہل علم نہ صرف اس اصل اصیل پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ وہ اسے حجت تسلیم کرتے ہیں اور امت کو اس کی تعلیم دیتے رہے ہیں اور انہوں نے اس فن میں بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں اور اصول فقہ اور مصطلح الحدیث کی کتابوں میں اسی کی وضاحت کی گئی ہے۔

سنت کے حجت ہونے پر اس قدر دلائل ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ بعض دلائل وہ ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں کیا گیا ہے، جن میں آپ ﷺ کی اطاعت اور پیروی کا حکم ہے اور یہ حکم آپ کے ہم عصر اور آپ کے بعد آنے والے سبھی لوگوں کیلئے ہے، اس لئے کہ آپ سبھی کیلئے اللہ کے رسول ہیں اور قیامت تک کے تمام لوگ آپ کی اتباع اور پیروی کرنے کے پابند ہیں اور اس لئے کہ آپ اپنے اقوال اور تقریر کے ذریعے سے کتاب اللہ کے مفسر اور بیان کرنے والے ہیں۔

اگر سنت نہ ہوتی تو لوگوں کو نماز کی رکعات اور اس کے اوصاف وواجبات کا علم نہ ہوتا اور وہ روزہ، زکوٰۃ اور حج کے احکام کی تفصیل معلوم نہ کر پاتے اور نہ ہی انہیں جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے احکام کا پتہ چلتا اور نہ ہی معاملات ومحرکات سے آگاہ ہوتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حدود وعقوبات ہیں جو امور ضروری ہیں، ان کا علم ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں قرآن پاک کی بہت سی آیات ہیں جو آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی کے وجوب کو ثابت کرتی ہیں۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وأطيعوا الله والرسول لعلكم ترحمون ﴾ (آل عمران : ۱۳۲)

''اور خوشی سے کہا مانو اللہ تعالیٰ اور رسول کا، امید ہے کہ تم رحم کئے جاؤ گے''

اور سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ يايها الذين امنوا أطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الأمر منكم فان تنازعتم فى شىءٍ فردّوه الى الله والرسول ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الأخر ذلك خير و أحسن تاويلا ﴾ (النساء : ۵۹)

''اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی، پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کی طرف حوالہ کر لیا کرو اگر تم اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ امور سب امور سے بہتر ہیں اور ان کا انجام خوش تر ہے''

نیز سورۃ النساء ہی میں فرمان باری تعالیٰ ہے :

﴿ من يطع الرسول فقد اطاع الله ومن تولّى فماّ أرسلنك عليهم حفيظا ﴾

''جس شخص نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جو شخص روگردانی کرے سو ہم نے آپ کو ان کا نگران کر کے نہیں بھیجا''

اور آپ کی اطاعت کیسے ممکن ہے؟ اور متنازع فیہ امور کو کتاب وسنت رسول ﷺ کی طرف کس طرح لوٹایا جا سکتا ہے؟ اگر سنت ﷺ حجت نہ ہو یا پوری کی پوری غیر محفوظ ہو۔

اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایسی چیز کا حکم دیا جس کا وجود ہی نہیں اور یہ باطل ہے اور اللہ کی ذات سے بہت بڑے کفر کے مترادف ہے اور اس سے بدظنی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا :

﴿ و انزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم ولعلهم يتفكرون ﴾ (النحل :۴۴)

''اور جو آپ ﷺ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تا کہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ﷺ ان سے ظاہر کر دیں اور تا کہ وہ فکر کیا کریں''

اور سورۃ النحل ہی میں ارشاد ہے :

﴿ وما أنزلنا عليك الكتاب الا لتبين لهم الّذى اختلفوا فيه وهدى وّرحمة لقوم يومنون ﴾ (النحل:۶۴)

''اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب صرف اس واسطے نازل کی ہے کہ جن امور میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر اس کو ظاہر فرما دیں اور ایمان والوں کی ہدایت اور رحمت کی غرض سے ہے''

پس کیسے اللہ تعالیٰ منزل الیھم (قرآن پاک) کی تبین (تفسیر وتشریح) کا کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر رہے ہیں؟

اگر آپ کی سنت کا وجود ہی نہیں اور وہ حجت نہیں۔ اور سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ کا اسی طرح فرمان ہے :

﴿ قل اطيعوا الله واطيعوا الرسول فان تولّو فانما عليه ما حمل وعليكم ما حملتم وان تطيعوه تهتد وا وما على الرسول الا البلاغ المبين ﴾ (آیت نمبر:۵۴)

''آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم لوگ روگردانی کرو گے تو سمجھ رکھو کہ (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذمہ وہی ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے، اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو راہ پر جا لگو گے اور رسول کے ذمہ صرف صاف صاف طور پر پہنچا دینا ہے''۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ النور میں ارشاد فرمایا:

﴿ واقيموا الصلوٰة واتوا الزكوٰة واطيعوا الرسول لعلكم ترحمون ﴾ (النور:۵۶)

''اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوۃ دیا کرو اور رسول کی اطاعت کیا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے''

اورسورۃ الاعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قل یأیها الناس انّی رسول الله الیکم جمیعا ن الذی له ملک السموات والارض لااله الا هو یحي ویمیت فامنوا بالله ورسوله النبي الأمي الّذی یؤمن بالله وکلمته واتبعوه لعلکم تهتدون ﴾ (آیت:۱۵۸)

’’آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور تمام زمینوں میں، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر جو کہ اللہ پر اور اس کے احکام پر یقین رکھتے ہیں اور ان کی اتباع کرو تاکہ تم راہ پر آجاؤ‘‘

یہ آیات اس بات پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ ہدایت اور رحمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی میں ہے۔ اور ہدایت اور رحمت کا حصول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کے بغیر کیسے ممکن ہے؟ یا یوں کہہ کر سنت صحیح نہیں ہے یا سرے سے قابل اعتماد ہی نہیں ہے، انسان کیونکر ہدایت اور رحمت الٰہی کا مستحق ہوسکتا ہے؟

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں ارشاد فرمایا:

﴿ فلیحذر الذین یخالفون عن امره أن تصیبهم فتنة أو یصیبهم عذاب الیم ﴾ (آیت:۶۳)

سنو! جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب (نہ) پہنچے۔ اور سورۃ الحشر میں فرمایا:

﴿ وما اتکم الرسول فخذوه وما نهکم عنه فانتهوا ﴾ (آیت:۷)

’’اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو‘‘

اور اس معنی کی بہت سی آیتیں ہیں اور سب کی سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وفرمانبرداری اور جو کچھ آپ لے کر آئے، اس کی پیروی کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ کتاب اللہ (قرآن پاک) اور اس کے اوامر ونواہی پر عمل کے وجوب اور اس کی اتباع اور پیروی کے فرض ہونے پر دلائل بیان ہو چکے ہیں۔

کتاب اور سنت دونوں ایسی اساس اور اصل ہیں کہ ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم ہیں، جس نے ان میں سے کسی ایک کا انکار کیا اس نے دوسری کا بھی انکار کیا اور اسے جھٹلایا اور یہ کفر وضلال اور گمراہی ہے اور باجماع جملہ اہل علم وایمان دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وفرمانبرداری اور جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں اس پر عمل کا واجب ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا حرام ہونا ، احادیث متواترہ سے ثابت ہے، اور یہ سبھی لوگوں کے لئے ہے چاہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہو یا قیامت تک آپ کے بعد آنے والے ہوں ۔ ان احادیث میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

عن ابی هریرة رضی الله عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم قال : «من أطاعنی فقد أطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله » (متفق علیه)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی‘‘

اور صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی قیل یارسول الله ومن یأبی؟ قال : من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد أبی)) (متفق علیه)

''میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی مگر جس نے انکار کیا، پھر پوچھا گیا، یارسول اللہ! وہ کون ہے جو انکار کرے گا؟ تو فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا''

احمد، ابوداؤد اور حاکم نے صحیح اسناد کے ساتھ مندرجہ ذیل حدیث بیان کی ہے لکھتے ہیں:

((ألا انی أوتیت الکتاب ومثلہ معہ ألا یوشک رجل شعبان علی أریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن فما وجد تم فیہ من حلال فأحلوہ وما وجد تم فیہ من حرام فحرموہ))

''مقدام بن معدیکرب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مجھے کتاب دی گئی ہے اور کتاب کے ساتھ اس کی مثل (حدیث کیونکہ وہ بھی وحی الٰہی ہے) خبردار! قریب ہے کہ ایک شکم سیر آدمی اپنے گاؤ تکئے پر بیٹھا ہوا یہ کہے گا کہ تم اس قرآن کو اپنے لئے ضروری سمجھو جو اس حلال میں پاؤ اسے حلال جانو اور جو کچھ اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو''

ابوداؤد اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ مندرجہ ذیل ایک روایت نقل کی ہے:

((عن ابی رافع عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : لا الفین أحدکم متکئا علی أریکتہ الأمر من امري مما أمرت بہ أو نھیت عنہ فیقول لاندری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ))

''حضرت ابورافع اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، فرمایا جناب نے کہ ''میں نہیں پاؤں تم میں سے ایک کو جو اپنے تکئے پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہوگا، اور اس کے پاس میرے احکام میں سے ایک حکم آئے گا کہ میں نے اس کے کرنے کا حکم دیا ہوگا یا کرنے سے روکا ہوگا تو وہ کہے گا، ہم نہیں جانتے (کیونکہ) جو ہم کتاب اللہ میں پائیں گے، اس کی پیروی کریں گے''

ایک دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے جسے حسن بن جابر نے مقدام بن معدیکرب سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

((حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم خیبر أشیاء ثم قال : یوشک أحدکم أن یکذ بنی وھو متکي یحدث بحد یثی فیقول بیننا وبینکم کتاب اللہ فما وجدنا فیہ من حلال استحللناہ وما وجدنا فیہ من حرام حرمناہ ألا ان ما حرم رسول اللہ مثل ما حرم اللہ))

''فتح خیبر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا، پھر آپ نے فرمایا کہ قریب ہے تم میں سے ایک مجھے جھٹلائے اس حال میں کہ وہ ٹیک لگا کر بیٹھا ہو کہ کوئی میری حدیث بیان کی جائے تو کہے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ موجود ہے ہم اس میں جو حلال پائیں گے اسے حلال سمجھیں گے اور جو حرام پائے گیں اسے حرام جانیں گے، خبردار! جو اللہ تعالیٰ کے رسول نے حرام کیا ہے وہ اسی طرح حرام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ آپ اپنے خطبے میں صحابہ کرام کو وصیت فرمایا تھے کہ ''بہت سے سننے والے پہنچانے والے کے مقابلے میں زیادہ یاد کرنیوالے اور سمجھ دار ہوتے ہیں''۔

جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ آپ نے یوم عرفہ اور یوم نحر کو حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ:

فلیبلغ الشاھد الغائب فرب من یبلغہ أوعی لہ ممن سمعہ.

''حاضر غائب کو پہنچا دے کیونکہ بہت سے سننے والے، پہنچانے والے کے مقابلے میں زیادہ یاد کرنے والے ہوتے ہیں''

پس اگر آپ کی سنت سننے والے پر یا اس شخص پر جسے وہ پہنچی ہے، حجت نہ ہوتی اور اگر آپ کی سنت قیامت تک باقی رہنے والی نہ ہوتی تو آپ اس کی تبلیغ کا حکم نہ دیتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ سنت کے ذریعے سے اس شخص پر حجت قائم ہے، جس نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا اور اس شخص پر بھی جس کو یہ سنت صحیح اسناد سے پہنچی ہو۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور فعلی حدیث کی حفاظت کی بلکہ اسے اپنے بعد تابعین تک پہنچایا اور انہوں نے

اپنے بعد آنے والوں کو یہ امانت سپرد کی۔حتی کہ ثقہ علماء قرناً بعد قرن اور نسلاً بعد نسل اس امانت کو ایک دوسرے تک منتقل کرتے چلے آئے اور ثقہ علماء نے سنت اور احادیث کو کتابوں میں جمع کیا، صحیح کو ضعیف سے الگ کیا، پھر صحیح اور ضعیف احادیث کی پہچان کے لئے ضابطے اور قوانین وضع کئے۔

اہل علم میں بخاری شریف اور مسلم شریف کے علاوہ حدیث کی دوسری کتب متداول ہوئیں اور انہوں نے سنت کی یوں حفاظت کی جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کی ملحدوں کے الحاد، باطل پرستوں کی تحریف اور دین سے کھیلنے والوں کے کھیل سے حفاظت فرمائی۔جیسا کہ اس امر کی پختگی پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد دلالت کرتا ہے:

﴿ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحٰفظون ﴾ (الحجر: ۹)

اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی وحی منزل (اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری ہوئی ہے)،اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی حفاظت کی ہے،جس طرح سے کہ اس نے اپنی کتاب کی حفاظت فرمائی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے علماء کرام کی ایک جماعت کو توفیق بخشی کہ وہ ایک نقاد کی حیثیت سے باطل پرستوں کی تحریف اور جاہلوں کی تاویلات فاسدہ کی تردید کریں اور ان تمام روایت کو جو کہ جاہل اور جھوٹے لوگوں اور ملحدین نے سنت میں شامل کردی تھیں،الگ کردیں کیونکہ اللہ نے اسے اپنی کتاب مبارک کی تفسیر بنایا ہے اور نہ ان احکام کی جو مجمل ہیں تشریح ہے،جب کہ ایسے احکام کو بھی شامل ہے جن کا قرآن پاک میں ذکر نہیں ہوا ہے جیسا کہ دودھ پلانے کے احکام ،میراث کے بعض احکام، بیوی اور اس کی پھوپھی کو نکاح میں جمع کرنے کے حرام ہونے کا حکم،اسی طرح بیوی کے ساتھ اس کی خالہ کو نکاح میں جمع کرنے کے حرام ہونے کا حکم۔

اس کے علاوہ اور بہت سے احکام ہیں جن کا سنت صحیحہ میں تذکرہ ملتا ہے،جب کہ وہ قرآن پاک میں مذکور نہیں ہیں۔

صحابہ کرام، تابعین اوران کے بعد اہل علم کے نزدیک سنت کی عظمت اوراس پر عمل کا وجوب

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو عرب کے بعض قبائل مرتد ہو گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ کی قسم میں اس شخص کے خلاف ضرور جہاد کروں گا جس نے نماز اور زکوۃ میں فرق کیا۔ تو ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ان کے خلاف کیسے لڑیں گے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد (قتال) کروں یہاں تک وہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیں، اور جب وہ اس کلمے کو پڑھ لیں تو پھر ان کے اموال اور ان کے خون میری طرف سے محفوظ ہو جائیں گے مگر اس (کلمہ) کے حق کی وجہ سے''، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا زکوۃ اس کے (کلمے کے) حق میں نہیں ہے؟ اللہ کی قسم اگر انہوں نے اونٹ کے باندھنے کی رسی کو بھی روکا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ادا کیا کرتے تھے تو میں اس کے روکنے پر بھی ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب مجھے بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جہاد کے بارے میں شرح صدر کر دیا ہے اور میں نے جان لیا ہے کہ یہی حق ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس ان کی پیروی کی اور مرتدین کے خلاف جہاد کیا۔ یہاں تک کہ انہیں دوبارہ اسلام میں داخل کیا اور جن لوگوں نے اپنے ارتداد پر اصرار کیا، انہیں قتل کر دیا۔

اس قصے میں سنت کی تعظیم اور اس پر عمل کے واجب ہونے کی روشن اور واضح دلیل ہے:

ایک ''دادی'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی میراث کے بارے میں سوال کرتی ہے، آپ نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں تو اس سلسلے میں کچھ وضاحت نہیں، اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کیلئے کسی چیز کا فیصلہ کیا ہو، اور میں لوگوں سے اس بارے میں سوال کروں گا۔ چنانچہ آپ نے صحابہ کرام سے سوال کیا تو بعض صحابہ نے اس بات کی شہادت دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دیا تھا تو آپ نے اس کے مطابق فیصلہ فرما دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ اپنے عاملوں کو وصیت فرمایا کرتے تھے کہ وہ لوگوں کے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کریں، اگر کوئی معاملہ کتاب اللہ میں نہ پائیں تو پھر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے فیصلہ کیا جائے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عورت کی املاص (عورت کا اپنے پیٹ کے بچے کو کسی کی تعدی اور زیادتی کی وجہ سے مردہ حالت میں گرا دینا) کے حکم اشکال پیدا ہوا تو آپ نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا تو آپ کے پاس محمد بن مسلمہ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما نے شہادت دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں ایک غلام یا باندی آزاد کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا تو حضرت عمر نے اسی کے مطابق فیصلہ دیا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے خاوند کی وفات کے بعد عورت کے اپنے گھر میں عدت گزارنے کا مسئلہ پیش ہوا تو انہیں اس مسئلے میں اشکال پیش آیا تو انہیں فریعہ بنت مالک بن سنان نے جو ابوسعید رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خاوند کی وفات کے بعد انہیں حکم دیا تھا کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں ہی ٹھہری رہیں، یہاں تک کہ مقررہ عدت اپنی معیاد کو پہنچ جائے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی کے مطابق فیصلہ دیا۔

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ کے شراب پینے پر سنت کے مطابق حد کے نفاذ کا فیصلہ صادر فرمایا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہی متعۃ الحج (تمتع) سے منع فرماتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا، اور ارشاد فرمایا کہ میں لوگوں میں سے کسی ایک آدمی کے قول کی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ترک نہیں کروں گا۔

جب کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی عنہما کے قول کی بنیاد پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے تمتع کے مقابلے میں

حج افراد کے افضل ہونے پر دلیل دی تو حضرت عبداللہ بن عباس نے ارشاد فرمایا کہ ''قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر نازل ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور تم کہتے ہو کہ ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) نے یہ بات کہی ہے''، اگر کسی شخص نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے قول پر عمل کرتے ہوئے سنت کی مخالفت کی اور اس پر اللہ کے عذاب کا خطرہ محسوس کیا جانے لگا، تو پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جس نے ان جلیل القدر صحابہ سے کم درجے کے کسی آدمی کے قول یا محض اپنی رائے اور اجتہاد سے سنت کی مخالفت کی ہو؟

اور جب بعض لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بعض سنتوں کے مقابلے میں تنازع کیا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ کیا ہم عمر کی اتباع کے پابند ہیں؟

اور جب ایک آدمی نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے عرض کیا آپ ہمیں کتاب اللہ بیان کیجئے اور وہ اس وقت حدیث بیان فرما رہے تھے، تو آپ یہ بات سن کر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ سنت رسول اللہ کتاب اللہ کی تفسیر ہے، اگر سنت نہ ہوتی تو ہم نہ جانتے کہ ظہر کی چار رکعت، مغرب کی تین اور فجر کی دو فرض ہیں، اور ہم زکوٰۃ کے احکام کی تفصیل نہ جان سکتے تھے، اسی طرح سے دوسرے وہ تمام مسائل جن کلی تفصیل سنت میں آئی ہے۔ ان سے بے خبر رہتے!

سنت کی تعظیم، اس پر عمل کے وجوب اور اس کی مخالفت پر وعید و تحذیر کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بہت ہی زیادہ قضایا اور واقعات ہیں۔

انہی میں سے ایک واقعہ ہے کہ جس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا کہ ''اللہ کی بندیوں (عورتوں) کو مسجد میں آنے سے مت روکو''! تو آپ کے کسی بیٹے نے کہا کہ ''اللہ کی قسم! ہم انہیں ضرور روکے گیں'' تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سخت ناراض ہوئے اور اسے سخت ڈانٹ پلائی اور فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور تو کہتا ہے کہ ہم انہیں ضرور روکیں گے''۔

اور جب عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اپنے ایک رشتے دار کو دیکھا کہ وہ (گوپھن، یا غلیل یا ہاتھ سے) کنکری پھینک رہا ہے تو اسے منع کیا اور فرمایا کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکری پھینکنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ نہ تو شکار کو لگتی ہے نہ ہی دشمن کو زخمی کرتی ہے لیکن یہ دانت توڑ دیتی ہے یا آنکھ پھوڑ دیتی ہے''۔

پھر اس کے بعد اسے کنکری پھینکتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ''اللہ کی قسم! میں تجھ سے کبھی بھی بات نہیں کرونگا، کیونکہ میں تجھے بتاتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکری پھینکنے سے منع کیا ہے، تم (یہ بات سن کر) پھر یہ کام کرتے ہو''۔

امام بیہقی نے جلیل القدر تابعی ایوب سختیانی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب تم کسی کے سامنے کوئی سنت بیان کرو اور وہ کہے کہ ''اسے چھوڑو اور ہمیں (صرف) قرآن پاک سے (کوئی) خبر دو'' بس جان لو وہ گمراہ ہے۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ سنت کتاب اللہ پر فیصلہ کرنے والی ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ کے اجمال کا بیان (تفصیل) ہے، مطلق احکام کو مقید کرنے والی یا ان احکام کو بیان کرتی ہے جن کا ذکر کتاب اللہ میں موجود نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون ﴾ (النحل :۴۴)

''اور جو آپ ﷺ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ﷺ ان سے ظاہر کر دیں اور تاکہ وہ غور و فکر کیا کریں''۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ:

''مجھے کتاب دی گئی اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی (یعنی سنت)''۔

امام بیہقی نے عامر شعبی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بعض لوگوں سے فرمایا کہ ''جس وقت تم نے آثار کو چھوڑ دیا اس وقت تم ہلاک ہو گئے۔ (یعنی صحیح احادیث)۔

امام بیہقی نے ہی امام اوزاعی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے بعض اصحاب سے فرمایا ''جب تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث پہنچے تو تجھے کوئی دوسری بات کرنے سے ڈرنا چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبلغ تھے۔

امام بیہقی نے الامام الجلیل سفیان ثوری سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا، ''پورے کا پورا علم آثار کا علم ہی ہے''۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم میں سے ہر ایک رد کرنے والا ہے یا اس کی بات اس پر رد کی گئی ہے مگر اس قبر والے کی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف اشارہ فرمایا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی حدیث آجائے تو وہ ہمارے سر آنکھوں پر ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث بیان کی جائے اور میں اسے نہ لوں تو میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میری عقل چلی گئی (میں اس وقت دیوانہ ہو گیا ہوں گا)۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب میں کوئی بات کروں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس کے خلاف ہو تو میرے قول کو دیوار پر مار دو۔

اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض اصحاب سے فرمایا کہ ''نہ تم میری تقلید کرو نہ امام مالک کی نہ شافعی بلکہ جہاں سے ہم نے لیا تم بھی لو۔

اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''مجھے اس قوم پر تعجب ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسناد اور ان کی صحت سے باخبر ہیں، پھر بھی سفیان ثوری کی رائے کی طرف جاتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ أن تصیبھم فتنۃ أو یصیبھم عذاب الیم ﴾ (آیت:۶۳)

سنو! جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب (نہ) پہنچے۔ کوئی زبردست آفت آنہ پڑے یا انہیں دردناک عذاب (نہ) پہنچے۔

پھر امام صاحب نے فرمایا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ خرابی (فتنہ) کیا ہے؟ فتنہ شرک ہے۔ ہوسکتا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول کو رد کر دیا جائے تو انسان کے دل میں کچھ زیغ (کجی) پیدا ہو اور وہ اسے ہلاک کر دے۔

امام بیہقی ہی نے امام مجاہد سے جو جلیل القدر تابعی ہیں نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول:

﴿ فان تنٰزعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والرسول ﴾

میں **الرد الی اللہ** سے مراد کتاب اللہ (قرآن مجید) کی طرف رجوع ہے اور **الرد الی الرسول** سے سنت کی طرف رجوع ہے۔

اور امام بیہقی نے امام زہری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ''ہمارے پہلے بزرگ علماء فرمایا کرتے تھے کہ سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے میں ہی نجات ہے''۔

علامہ موفق الدین ابن قدامہ نے اپنی کتاب ''روضۃ الناظر فی بیان اصول الاحکام'' میں تحریر کیا ہے کہ ''ادلۃ کی دوسری اصل سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے'' معجزہ (یعنی قرآن مجید) کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی صداقت پر دلالت کرنے کی وجہ سے آپ کی اطاعت پر اللہ تعالیٰ کے حکم، اور آپ کی نافرمانی پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور وعید کی وجہ سے آپ کا قول حجت ہے۔

علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں آیت:

﴿ فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ أن تصیبھم فتنۃ أو یصیبھم عذاب الیم ﴾ کے تحت لکھا ہے کہ امر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آپ کا راستہ، منہاج، طریقہ، سنت اور شریعت ہے، پس تمام اقوال و اعمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال سے جانچے اور پرکھے جائیں گے۔ جو آپ کے اقوال و اعمال کے مطابق ہوں گے، قبول کئے جائیں گے، ورنہ اس کے کہنے یا کرنے والے پر رد کر دیئے جائیں گے خواہ اس کی شخصیت کتنی بڑی کیوں نہ ہو۔

جیسا کہ صحیح بخاری اور مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد)).

جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں ہے، پس وہ مردود عمل ہے۔

یعنی اسے ڈرنا اور بچنا چاہیے جو شخص کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی باطن اور ظاہر میں مخالفت کرتا ہے کہ'' تصیبھم فتنة '' کہ وہ فتنے میں مبتلا ہوں یعنی ان کے دلوں میں کفر، نفاق، یا بدعت ہو''أو یصیبھم عذاب الیم '' یا انہیں پہنچے دردناک عذاب یعنی دنیا میں قتل، حد یا قید وغیرہ کے ذریعے سے۔

جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''میری اور تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی جب اس آگ نے اپنے گرد و نواح کو روشن کر دیا تو پتنگے اور وہ جانور (پروانے) جو اپنے آپ کو آگ میں ڈال دیتے ہیں، اس میں اپنے آپ کو گرانے لگے، اس نے ان کو روکنا شروع کیا وہ اس پر غالب آجاتے اور خود کو آگ میں ڈال دیتے، آپ نے فرمایا میری اور تمہاری مثال بھی ایسی ہی ہے۔ میں نے تمہیں آگ سے روکنا شروع کیا کہ آگ سے بچو! مگر تم مجھ پر غالب آتے ہو اور اپنے آپ کو اس میں گراتے ہو''۔

علامہ سیوطی نے اپنی کتاب ''مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ'' میں لکھا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے! جان لو کہ وہ حدیث جو اصول حدیث کے مطابق صحیح ثابت ہو، چاہے وہ قولی ہو یا فعلی، اگر کسی شخص نے اس کے حجت ہونے کا انکار کیا تو وہ کافر ہو گیا اور دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا اس کا حشر و نشر یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہو گا یا پھر کافر فرقوں میں سے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کرنا چاہیں گے''۔

سنت کی تعظیم، اور اس عمل کے وجوب اور اس کی مخالفت کی تحذیر کے سلسلے میں، صحابہ کرام اور تابعین کے بہت سے آثار منقول ہیں، جب ان کے بعد کے اہل علم و فضل کے بھی بہت سے آثار ملتے ہیں..... مجھے امید ہے کہ ہم نے جو آیات، احادیث اور آثار اقوال نقل کئے ہیں، یہ کافی اور شافی ہونگے، اور حق کے طلب گار کیلئے اطمینان قلب کا باعث ہونگے۔

ہم اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے ان کاموں کی توفیق کا سوال کرتے ہیں جو اسے راضی کرنے والے ہیں اور اس کے اسباب غضب سے بچانے والے ہیں اور اس بات کا سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور سب کو سیدھے راستے پر چلائے، بے شک وہ سننے والا اور قریب ہے۔

وصلى الله على عبده ورسوله نبينا محمد وآله وأصحابه وأتباعه باحسان

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمــــــہ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں، اُسی سے مدد مانگتے ہیں، اسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اُسی کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ سب سے بہتر کلام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور سب سے بہتر طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے ۔لاتعداد درود وسلام ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب بنا کر اس دنیا میں بھیجا تا کہ وہ اس دنیا کے چپے چپے پر اللہ تعالیٰ کی حاکیت قائم کرے اور اس کی نازل کردہ شریعت کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے اور اپنے بندوں کی رہنمائی کیلئے اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجتا رہا، ہر نبی لوگوں کو ایک امت یعنی ایک جماعت بنا دیتا تھا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ شریعت کے مطابق عمل کرنے کا طریقہ بھی سکھا دیتا تھا، لیکن نبی کے رخصت ہو جانے کے بعد لوگ منزل من اللہ شریعت میں تحریف کر دیتے اور اس طرح اختلاف کا شکار ہو کر فرقوں میں تقسیم ہو جاتے اور اپنا مقصد تخلیق بھلا بیٹھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ لوگ آپس میں اختلاف کر کے فرقوں میں تقسیم ہو جائیں بلکہ وہ سب کو ایک امت ایک جماعت دیکھنا چاہتا ہے ۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاتقون . (المؤمنون : ٥٢)

''اور یہ تمہاری جماعت بلاشبہ ایک ہی جماعت ہے میں تمہارا ربّ ہوں لہٰذا مجھ سے ڈرتے رہنا۔

لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ ہر نبی کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد لوگ اختلاف کا شکار ہو کر فرقوں میں تقسیم ہوتے رہے۔ یہ اختلاف اور فرقہ بندی منزل من اللہ شریعت میں تحریف کی وجہ سے ہوتی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اختلاف سخت ناپسند ہے لہٰذا جب بھی اختلاف پیدا ہوتا تو اس کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی شریعت نازل فرماتا اور ازسرنو نبی بھیج کر پھر سب کو ایک مرکز پر لانے کا انتظام کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

كان الناس امة واحدة فبعث الله النبيّن مبشرين ومنذرين وانزل معهم الكتب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه وما اختلف فيه الا الذين اوتوه من بعد ماجآء تهم البيّنت بغيا بينهم فهدى الله الذين اٰمنوا لما اختلفوا فيه من الحق باذنه والله يهدى من يشآء الى صراط مستقيم. (البقرة : ٢١٣)

''سب لوگ ایک جماعت تھے پس اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان نبیوں کے ساتھ حق کے ساتھ کتاب نازل کی تا کہ وہ کتاب ان لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کردے جن میں وہ اختلاف کرتے تھے اور یہ اختلاف بھی ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی تھی محض آپس کی ضد میں آ کر کیا تھا اور ایسی حالت میں کیا تھا کہ ان کے پاس کھلے دلائل پہنچ چکے تھے، پھر جو لوگ ایمان لے آئے تو اللہ نے ان کو اپنے حکم سے اس امر حق میں جس میں وہ اختلاف کر رہے تھے راہ حق دکھادی اور اللہ جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کر دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو اس وقت دنیا میں شرک وکفر کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی اور اہل کتاب اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت میں تحریف کر کے اختلاف کا شکار ہو گئے تھے، اور متعدد فرقوں میں تقسیم ہو کر آپس میں برسر پیکار تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو شرک وکفر، اختلاف وفرقہ بندی سے نکال کر ایک امت ایک جماعت بنا دیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہمیں سنایا:- **اتبعوا ما انزل اليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه اولياء ، قليلا مّا تذكرون.** (الاعـــراف: ٣) جو شریعت تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے (بس) اسی کی پیروی کرو اس کے علاوہ ولیوں کی پیروی نہ کرو (مگر) تم نصیحت کم ہی قبول کرتے ہو۔

مقدمة

ان الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوب اليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا وسيئات اعمالنا - من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له وأشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى آله وصحبه أجمعين-

﴿ يا أيها الذ ين آمنوا اتقوا الله حقّ تقاته ولا تموتن الّا وأنتم مسلمون ﴾ (آل عمران:۱۰۲)

''اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرو مگر مسلمان ہو کر''۔

﴿ يا أيها الناس اتقوا ربكم الذّى خلقكم من نفس واحدةٍ و خلق منها زوجها وبث منهما رجالًا كثيرًا وّ نساءً واتقوا الله الذى تساء لون بهٖ والارحام ان الله كان عليكم رقيبًا ﴾ (النساء:۱)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد وزن پھیلائے اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے جس کے واسطے سے تم سوال کرتے ہو اور خبردار رہو قرابت والوں سے بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے''۔

﴿ يا أيها الذ ين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولاً سديداً . يصلح لكم اعمالكم ويغفرلكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فازا فوزاً عظيمًا ﴾ (الاحزاب:۷۰-۷۱)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سیدھی بات کہو۔ تو اللہ تعالیٰ تمہارے کام سنوار دے گا اور تم کو تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کے کہنے پر چلا تو اس نے بڑی مراد پائی''۔

اما بعد !

فان اصدق الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد ﷺ وشر الامور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة.

پس یہ عقیدے اور سنت کے متعلق ایک مختصر سا ویب پیج ہے تا کہ مسلم طلبہ اس سے نفع اٹھائیں۔ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اس ویب پیج کے ذریعے (لوگوں کو) نفع دے اور اس کو خالص اپنی رضا کے لئے کر دے

میرے عزیز بھائیو! اس موضوع کے خاص خاص اہم مضامین آپ کے پیش خدمت ہیں!

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

جنوں اور انسانوں کے پیدا کرنے کی حکمت

امت مسلمہ کے لوگو! جان لو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز کو کسی حکمت کی بنا پر پیدا کیا ہے، جس کو وہی جانتا ہے اور اس کا ارادہ کرتا ہے۔ مسلمان سے تو یقین کرنے اور اسے مان لینے کا مطالبہ کیا جائے گا اب برابر ہے کہ انسان اس حکمت کو جانے یا نہ جانے اگر اس نے اس حکمت کو جان لیا تو یہ نور علی نور ہے اور اگر اس نے اس کو نہیں جانا تو اس پر لازم ہے کہ وہ مطیع اور فرمانبردار بن جائے۔ اس لئے کہ عقل بشری ہر حکمت کے جاننے سے عاجز ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ان اوامر پر عمل کرتے اور نواہی سے بچتے تھے جن کا ذکر قرآن کریم اور احادیث نبوی میں آتا ہے بغیر اس حکمت کے متعلق سوال کئے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے زیادہ کوئی چیز دلالت نہیں کرتی جس وقت وہ حجر اسود کے پاس آئے اور اسے بوسہ دینے لگے تو انہوں نے فرمایا:

''انی اعلم أنک حجر لا تضر ولا تنفع ولولا أنی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبلک ما قبلتک ''(بخاری و مسلم : ۲/۱۸۰، ۳/۶۷)

''بے شک میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے نقصان دیتا ہے نہ نفع۔ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرا بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تیرا بوسہ نہ لیتا''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو بہت بڑی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ اکیلے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرنا اس کے سوا اوروں کی عبادت سے بچنا جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ﴾ (الذاریات:۵۶)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین له الد ین حنفاء ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکٰوۃ وذلک دین القیمۃ﴾

(البینۃ:۵)

''انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اس کے لئے دین کو خالص رکھیں (ابراہیم علیہ السلام کے دین پر) نماز کو قائم رکھیں ،زکاۃ دیتے رہیں۔ یہی دین درست اور مضبوط ہے''۔

اس توحید والے مسئلہ کے متعلق قرآن کریم کی بہت سی آیات وارد ہیں جن کا اس مقام میں احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ مذکورہ بالا آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اکیلے اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرنا واجب ہے جو شخص اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا بلکہ اوروں کو بھی اس کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے تو وہ مشرک اور کافر ہے، دائرہ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور اگر وہ کوئی بھی عمل کرے تو وہ عنداللہ قابل قبول نہیں ہے بلکہ وہ عمل اس کے منہ پر دے مارا جائے گا اس لئے کہ اس نے توحید کی شرط کو پورا نہیں کیا۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وقدمنا الیٰ ما عملوا من عملٍ فجعلناہ ھباء منثورًا ﴾ (الفرقان:۲۳)

''انہوں نے جو اعمال کئے تھے ہم نے ان کی طرف متوجہ ہو کر انہیں اڑتے ہوئے ذروں کی طرح کر دیا''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی میں فرمایا:

''من عمل عملا اشرک فیه معی غیری ترکته و شرکه '' (رواہ مسلم کتاب الزھد ج۴ ص ۲۷۹)

''جن نے کوئی عمل کیا اور اس عمل میں میرے ساتھ اس نے کسی دوسرے کو شریک کیا تو میں اس عمل کو اور اس کے شرک کو چھوڑ دوں گا''

عمل کے قبول ہونے کی شرطیں

یہ بات معلوم ہے کہ تمام عبادتیں توفیقی ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کو شریعت کے ذریعے ہی پہچانا جاتا ہے۔ کسی آدمی کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق عبادت کرے بلکہ اس طریقے کے مطابق عبادت کرے جس کو قرآن کریم اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا ہے مثلاً عبادت میں ضروری ہے کہ وہ عمل خالص اکیلے اللہ کے لئے ہو۔ یہاں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کوئی بھی عمل جس سے ہم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں اس کے صحیح ہونے کے لئے دو بنیادی شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایک شرط دوسری سے جدا اور علیحدہ نہ ہو۔

پہلی شرط: اکیلے اللہ تبارک وتعالیٰ کیلئے عبادت کو خاص کرنا۔

دوسری شرط: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی متابعت کرنا۔

ان دونوں شرطوں کو سورۃ الکہف کی اس آیت نے جمع کردیا ہے:

﴿ فمن كان يرجوا لقاء ربه فليعمل عملاً صالحًا ولا يشرك بعبادة ربه أحدا ﴾ (الکہف:۱۱۰)

''جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل (سنت کے مطابق) کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے''۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ عمل سنت کے مطابق ہو پھر حکم دیا ہے کہ عمل کرنے والا خالص اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرے اور اس عمل کے ذریعہ اس کے سوا کسی کا قرب تلاش نہ کرے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے: قبول ہونے والے عمل کے دو رکن ہیں۔ (۱): عمل کا خالص اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ہونا۔ (۲): اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح کی روایت قاضی عیاض وغیرہ سے بھی مروی ہے۔

شرط اول: کا معنی یعنی اخلاص۔ وہ یہ کہ عمل کرنے والا اپنے عمل سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کا ارادہ کرے جو ریاکاری اور شہرت سے دور ہو وہ اپنے اس عمل سے کسی سے بدلہ اور شکرانہ نہ تلاش کرے اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کی نصوص کثرت سے وارد ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فاعبد الله مخلصًا له الدين ﴾ (الزمر:۲)

''پس تو اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کر اس کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے''۔

﴿ وابتغ فيما آتاك الله الدار الآخرة ولا تنس نصيبك من الدنيا واحسن كما أحسن الله اليك ﴾

''اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیوی حصہ کو نہ بھول اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی سلوک کرتا رہے''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''أنا اغنى الشركاء عن الشرك من عمل عملاً اشرك معي فيه غيري تركته وشركه''

''میں تمام شرکاء کے شرک سے مستغنی ہوں جس نے کوئی عمل کیا اور میرے ساتھ اس میں میرے غیر کو شریک کیا تو میں اس کا عمل اور اس کا شرک چھوڑ دوں گا''۔

یعنی میں اپنی عبادات مالیہ، قولیہ اور بدنیہ میں پارٹنرشپ کو گوارہ نہیں کرتا۔ جو کوئی عبادت گزار میری عبادات میں دوسروں کو حصہ دار بنائے میں اس کی اپنے حصہ والی عبادت بھی قبول نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اس وقت اخلاص اور انسان کا اپنے عمل سے دنیا کا ارادہ کرنے کے ساتھ ساتھ ممکن نہیں ہوتا۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہٖ فھجرتہ الی اللہ ورسولہٖ ومن کانت ھجرتہ لدنیا یصیبھا او امرأۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ'' (رواہ بخاری ومسلم)

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے ہر آدمی کے لئے وہی ہوگا جس کی اس نے نیت کی پس جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی تو اس کی اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت ہوگی اور جس نے دنیا کے لئے ہجرت کی تو وہ اس کو پائے گا یا کسی عورت کی طرف ہجرت کی کہ وہ اس سے نکاح کرے اس کی ہجرت اس کی طرف ہوگی جس کی طرف اس نے ہجرت کی''۔

دوسری شرط: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ عمل جس کے ذریعہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں اس دستور وآئین کے مطابق ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت میں بیان کیا ہے اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے اسلامی دین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے سے پہلے پہلے کامل ومکمل کر دیا ہے۔ اب اس دین اسلام میں کسی کمی وزیادتی کرنے والے کی حاجت نہیں رہی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا ﴾

''یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عمدہ نمونہ موجود ہے۔ ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہو اور بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہو''۔ (الاحزاب:۲۱)

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وما آتاکم الرسول فخذ وہ وما نھاکم عنہ فانتھوا ﴾ (الحشر:۷)

''جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دے اس کو لے لو اور جس سے روکے اس سے باز آجاؤ''۔

﴿ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ﴾ (آل عمران:۳۱)

''کہہ دیں اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری تابعداری کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا''۔

اس سلسلہ میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کثرت سے وارد ہوئی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشد ین المھد یین من بعدی عضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثہ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار. (ترمذی ج۴ص ۱۴۹ ،سنن ابن ماجہ)

''تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے اس کو مضبوطی سے پکڑ لو اور نئی بدعتیں ایجاد کرنے سے بچ جاؤ اس لئے کہ (دین میں) ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں (لے جانے کا سبب بنتی) ہے''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا بعدی ما تمسکم بھما کتاب اللہ وسنتی. (المؤطا ۲/۸۹۹،ابوداؤد ۱/۴۴۲، ابن ماجۃ ۲/۱۰۲۵).

''میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑ دیں ہیں جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے۔ ایک کتاب اللہ ہے اور دوسری میری سنت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد. (بخاری ۳/۲۴۱، مسلم ۵/۱۳۲)

''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز گھڑی جو اس سے نہیں تو وہ رد ہے (اس کے منہ پر دے ماری جائے گی)''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما بعث اللہ من نبی الا کان حقًا علیه ان یدل امته علی خیر ما یعلمه لهم .(مسلم امارة ۴۶ ج۳/۱۳۷۲)

''اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس پر واجب تھا کہ وہ اپنی دانست کے مطابق اپنی امت کو بھلائی بتائے اور ان کو اپنی دانست کے مطابق شر سے ڈرائے''۔

اللہ تعالیٰ نے جس کسی نبی کو مبعوث فرمایا اس پر فرض تھا کہ وہ اپنی امت کو اس خیر سے آگاہ کرے جسے وہ ان کے لئے بتانا ضروری خیال کرتا ہے اور ان کو اس شر سے ڈرائے جسے وہ ان کے لئے مہلک سمجھتا ہے۔

یہ تمام نصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہیں جو نسا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کے بغیر ہو اس کی کوئی قبولیت نہیں ہے۔ بہت سے مسلمانوں نے نئی نئی چیزیں ایجاد گھڑ رکھی ہیں جن کو یہ دین سمجھتے ہیں حالانکہ دین سے ان چیزوں کو کوئی تعلق نہیں ہے جن کو یہ لوگ اچھا سمجھتے ہیں اور خیال (فاسد) کرتے ہیں کہ یہ ان کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کردیں گی۔ حالانکہ انہوں نے قرآن کریم اور حدیث نبوی کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے چھوڑ دیا ہے گویا کہ یہ لوگ قرآن وحدیث سنتے ہی نہیں ہیں۔ ان بدعات کی مثالوں میں سے وہ گھڑی ہوئی دعائیں اوراذکار اور کلمات وغیرہ ہیں۔ جن کو نماز کے بعد یا کسی خاص وقت میں گانے کی طرح سریں لگا لگا کر گاتے ہیں اور انہوں نے ہر نماز کے بعد ان اذکار اور دعاؤں کو چھوڑ دیا ہے جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تمام اوقات میں پڑھی جانے والی دعاؤں اور اذکار کی تعلیم دی ہے۔ پس مسلمانوں کو معلوم ہے کہ وہ اپنے گھر نکلتے وقت اور گھر کی طرف واپس آتے وقت کیا کیا پڑھیں گے اور سوتے وقت اور جاگتے وقت کیا پڑھیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں (بخاری ۱۱/۱۰۱)۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اولوالالباب کا عمل بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا وعلی جنوبهم یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ما خلقت هذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار ﴾. (آل عمران:۱۹۱)

''جو لوگ اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور پہلوؤں کے بل یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ باطل نہیں بنایا تو پاک ہے پس ہم کو آگ کے عذاب سے بچا''۔

قرآن کریم کی اس آیت نے واضح کردیا کہ یہ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کو تمام حالتوں میں یاد کرتے ہیں۔

ان بدعتوں میں سے مخصوص دنوں اور وقتوں میں عیدیں اور میلے منانا بھی ہیں سوائے ان اسلامی عیدوں کے جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشروع کیا ہے اور وہ عید الفطر، عید الاضحیٰ اور جمعہ (سید الایام) ہے اب ان کے علاوہ جو بھی عید ہوگی وہ جاہلیت کی عید ہوگی (اگرچہ عید میلاد النبی ہی کیوں نہ ہو) ان میں نئی نئی عبادتیں گھڑی گئیں ہیں سب مردود ہیں۔ ان کے ایجاد کرنے والوں کے منہ پر دے ماری جائیں گی۔ کیونکہ یہ وہ بدعتیں ہیں اور ان کے علاوہ جو اعمال دین میں نئے ایجاد کئے گئے ہیں مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ وہ ان کو چھوڑ دیں اور جن اعمال کا ثبوت قرآن وحدیث میں ملتا ہے اسی پر اکتفا کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سنا کچھ لوگ روزانہ مغرب کی نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں اور اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، سبحان اللہ کو بیک آواز بار بار دہراتے ہیں تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور ان لوگوں پر نکیر فرمائی اور فرمایا اللہ کی قسم تم لوگ ظلماً بدعت لائے ہو اور تم علم کے اعتبار سے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے زیادہ فضیلت لے جانا چاہتے ہو۔ (دارمی، ابونعیم)۔

اب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ کہنے پر نکیر نہیں فرمائی اس لئے یہ تو ذکر ہے بلکہ انہوں نے اس ھیئت پر جس کے

ذریعہ ذکر کررہے تھے نکیر فرمائی ہے اس لئے کہ اس حالت میں جمع ہوکر ذکر کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ،جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا اور آپ سے اذکار کو سیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا، کے نزدیک مشروع نہیں ہے۔

توحید الربوبیۃ

توحید کا لغوی معنی ہے علیحدہ کرنا اور شرعا اللہ تبارک وتعالیٰ کو عبادت کے ساتھ علیحدہ کرنا ہے کہ انسان اکیلے تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

توحید الربوبیہ یہ ہے کہ انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس کے افعال کے ساتھ اکیلا جانے جیسا کہ پیدا کرنا، رزق عطا کرنا، زندہ کرنا، مارنا، مالک ہونا، تدبیر کرنا وغیرہ مطلب یہ ہے کہ آدمی اس پر ایمان لائے کہ اکیلا اللہ سبحانہ وتعالیٰ خالق، رازق، مالک متصرف اور ہر چیز کا مدبر ہے اور اس کے فیصلے کو کوئی روکنے والا نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ربوبیت پر بہت دلیلیں ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ ان ربکم اللہ الذ ی خلق السمٰوٰت والارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش یغشی اللیل النھار یطلبه حثیثًا والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہٖ الا لهٗ الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین ﴾(الاعراف)

''بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے چھ دنوں میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا پھر وہ عرش پر قائم ہوا چھپا دیتا ہے رات سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ رات اس دن کو جلدی سے لے آتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ یاد رکھو۔ اللہ ہی کیلئے خاص ہے خالق اور حاکم ہونا بڑی خوبیوں کا بھرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کا پروردگار ہے''۔

توحید کی اس قسم کا پہلے مشرکوں نے بھی اقرار کیا تھا لیکن اس اقرار نے ان کو اسلام میں داخل نہیں کیا کیونکہ انہوں نے اس توحید کے لازم کا اقرار نہیں کیا اور وہ توحید الوھیت ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ ولئن سئلتهم من خلق السمٰوٰت والارض لیقولن خلقهن العزیز العلیم ﴾ (الزخرف:۹)

''اور اگر آپ ان (کفار) سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے ان کو غالب جاننے والے نے پیدا کیا''۔

﴿ ولئن سئلتهم من خلقهم لیقولن اللہ فانّی یوفکون ﴾ (الزخرف:۸۷)

''اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو پھر کہاں الٹے جاتے ہیں''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ربوبیت پر دلائل بہت سے ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا دلائل عقلی ہوں یا نقلی پس مخلوق خالق کے وجود پر دلیل ہے اور ہر بنی ہوئی چیز کے بنانے والے کا ہونا ضروری ہے۔ اللہ ذوالجلال نے فرمایا:

﴿ ام خلقوا من غیر شیئی ام هم الخالقون ﴾ (سورۃ الطّور:۳۵)

''کیا یہ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا خود یہ پیدا کرنے والے ہیں''۔

﴿ وفی الارض آیات للموقنین وفی أنفسکم افلا تبصرون و فی السمآء رزقکم وما توعد ون ﴾(الذاریات:۲۰،۲۱،۲۲)

''یقین رکھنے والوں کے لئے تو زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی کیا تم دیکھتے نہیں ہو اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے سب آسمانوں میں ہے''۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی اللہ تعالیٰ کی قدرت پر قرآن کریم کی آیات دلالت کرتی ہیں۔ ہر چیز میں نشانی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

توحید الالوھیۃ والعبادۃ

اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کو اکیلا مانے بندے کے ان افعال کے ساتھ جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے۔جیسا کہ نماز، روزہ ،ذبح، نذر، فریادرسی وغیرہ اب اس کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام عبادات کی قسموں کو ایک اللہ رب العزت کے لئے خاص کرنا ہے اب اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کسی کو پکارا نہیں جائے گا نہ کسی مقرب فرشتے کو اور نہ کسی نبی مرسل کو پس جس نے ان عبادات میں سے کسی بھی عبادت کو غیر اللہ کیلئے خاص کر دیا تو وہ مشرک اور کافر دائرہ اسلام سے خارج ہے اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قل ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین ﴾

(الانعام:۱۶۲)

''آپ فرمادیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خالص اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں''۔

﴿ ومن یدع مع اللہ الھا آخر لا برھان لہ بہٖ فانما حسابہ عند ربہ انہ لا یفلح الکافرون ﴾(المؤمنون:۱۱۷)

''جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں پس اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے بے شک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں۔

توحید الوھیت میں ہی تو رسولوں اور پہلی امت کے مشرکوں کا جھگڑا ہوتا رہا اس لیے کہ پہلے مشرکین اللہ تعالیٰ کے خالق، رازق اور مدبر ہونے کا اقرار کرتے رہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دوسرے معبودان باطلہ کو شریک کرتے رہے اور وہ یہ خیال فاسد کرتے تھے کہ جن کی ہم عبادت کرتے ہیں یہ ہم کو اللہ کے نزدیک کر دیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہی کے قول کو نقل کیا ہے:

﴿ وقالوا ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی ﴾ (الزمر:۳)

''اور کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ بزرگ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں''۔

اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کو توحید خالص کی طرف دعوت دینے کے لئے بھیجا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:﴿ وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ أنہ لاالہ الا انا فاعبدون ﴾ (الانبیاء:۲۵)''تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف بھی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تم میری ہی عبادت کرو''۔

جب ہم جائزہ لیتے ہیں پہلے مشرکوں کا اور ہمارے زمانے کے موجودہ مشرکوں کا تو ہم آج کے مشرکوں کو بنسبت پہلے زمانے کے مشرکوں سے زیادہ کفر وشرک میں پاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ اول کے مشرکین تو حالت رخاء میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے مگر وہ مصیبت اور پریشانی کے وقت خالص اللہ تبارک وتعالیٰ کو پکارتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف پناہ لیتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:﴿ فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین فلما نجّاھم الیٰ البّر اذا ھم یشرکون ﴾(العنکبوت) ''یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ ہی کو پکارتے ہیں اسی کے لیے عبادت کو خالص کر کے پھر جب وہ ان کو خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگ جاتے ہیں''۔

اب رہ گئے آج کے مشرک تو یہ ہر حالت میں غیر اللہ کو پکارتے ہیں چاہے امن وسکون کی حالت ہو یا تنگی اور مصیبت کی حالت ہو آپ ان میں سے کسی کو بت کے سامنے یا کسی کو قبر کے سامنے پائیں گے اور اس قبر والے سے مصیبتوں اور پریشانیوں کے دور کرنے کی فریادرسی کر رہا ہوگا اور اس سے مدد یا اولاد مانگ رہا

ہوگا اور جانور ذبح کرنے کی منتیں مان رہا ہوگا جیسا کہ قبر پرستوں کا حال ہوتا ہے بس ان کا کام صرف قبروں پر چلا کشی کرنا اور بڑے بڑے مزاروں کا طواف کرنا اور قبر والوں سے اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کے پورا کرنے کی امیدیں کرنا ہے اسی وجہ سے جن کے ذہنوں میں خناسیت بھری ہوئی ہوتی ہے کہتے ہیں جو معاملات اور دنیاوی کام آپ کو پریشان اور عاجز کر دیں تو ان قبر والوں کے پاس جا کر فریاد رسی کرو اور ان سے مدد مانگو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ ومن اضل ممن يدعوا من دون الله من لا يستجيب له الىٰ يوم القيامة وهم عن دعائهم غافلون ﴾

''اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا کو قبول نہ کر سکیں بلکہ وہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں ۔اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے''۔ (الاحقاف:٦)

یہ لوگ قبروں میں مرے ہوئے ہیں اپنے لئے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں چہ جائیکہ یہ دوسروں کے مالک ہوں؟ جیسا کہ کہا جاتا ہے چیز کو گم کرنے والا دوسرے کو کچھ نہیں دے گا۔ پس جب وہ اپنے لئے کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں تو وہ دوسروں کیلئے بطریق اولیٰ کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہوں گے۔ بلکہ نفع ونقصان کا مالک سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کوئی بھی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وان يمسسك الله بضر فلا كاشف له الا هو وان يمسسك بخير فهو علىٰ كل شيءٍ قدير﴾ (الانعام) ''اور اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچا دے تو اس کو دور کرنے والا سوائے اللہ کے کوئی اور نہیں اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی نفع پہنچا دے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے''۔

اسماء وصفات کی توحید

اسماء وصفات کی توحید یہ ہے کہ آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء اور صفات پر اس طرح ایمان لائے جس طرح کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہے اور وہ ان اسماء اور صفات میں نہ تحریف کرے اور نہ الفاظ بلا معنی سمجھے اور نہ کیفیت بیان کرے اور نہ تاویل کرے اور نہ کسی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دے اور نہ ہی مثال بیان کرے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ ليس كمثله شيء وهو السميع البصير ﴾ (الشوریٰ:١١)

''اس کی طرح کوئی چیز نہیں وہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے''۔

پس مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اسی طرح صفت بیان کرے جس طرح اس نے اپنی ذات کی صفت بیان کی ہے یا اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہے بغیر کسی زیادتی اور نقصان کے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس کے اسماء اور صفات میں الحاد کے مختلف اشکال میں سے کسی بھی شکل کے مرتکب ہو رہے ہیں، سخت وعید سنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ ولله الأسماء الحسنىٰ فادعوا بها وذروا الذين يلحدون فى اسمائه سيجزون ما كانوا يعملون ﴾

''اور اچھے اچھے نام اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی''۔ (الاعراف:١٨٠)

جس نے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں سے کسی کا انکار کر دیا تو وہ کافر ہے دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وهم يكفرون بالرحمٰن قل هو ربّى لا اله الا هو توكلت واليه متاب ﴾ (الرعد:٣٠)

''اور یہ اللہ رحمان کے منکر ہیں تو کہہ دے کہ میرا پالنے والا تو وہی ہے اس کے سوا درحقیقت کوئی بھی لائق عبادت نہیں اس کے اوپر میرا بھروسہ ہے اور اس کی جانب میرا رجوع ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات کیلئے صفات کمال میں سے جس کو ثابت کیا ہے اہل سنت والجماعت اسی کو ثابت کرتے ہیں اور اس سے تمام صفات

نقص کی نفی کرتے ہیں اور وہ اثبات اور نفی کرنے میں قرآن وسنت پر اعتماد کرتے ہیں۔مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ الرحمٰن علی العرش استوٰی ﴾ (طٰہٰ:۵)

''(کہ) رحمٰن عرش پر قائم ہوا''۔

تو یہ کہتے ہیں کہ استواء سے وہی مراد ہے جو اس کی شان وعظمت کے لائق ہے اور اہل حق: اہل تأویل کی طرح استواء کی تفسیر غلبہ کے ساتھ نہیں کرتے کہ یہاں استواء غلبہ کرنے کے معنی میں ہے۔بلکہ وہ اس صفت کو ثابت کرتے ہیں اور اس صفت پر ایمان لاتے ہیں جو اس کی شان کے لائق ہے اس لئے کہ استواء کی تفسیر استیلاء اور قہر سے کرنا گویا کہ بغیر دلیل کے کلمات کو اپنی جگہ سے ہٹانا اور لفظ کو اپنے ظاہر سے پھیرنا ہے جو کہ صریح گمراہی ہے۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ بل یدا ہ مبسوطتان ﴾ (المائدہ:۶۴)

''بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں''۔

اس میں اہل سنت والجماعت اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ کو ثابت کرتے ہیں جو اس کی شن اور عظمت کے لائق ہے اور فرقہ جہمیۃ اور معتزلہ وغیرھما کی طرح ہاتھ کی تاویل قدرت اور نعمت کے معنی میں نہیں کرتے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وجاء ربک والملک صفًّا صفًّا ﴾ (الفجر:۲۲)

''اور آپ کا رب آئے گا اور فرشتے قطار در قطار آئیں گے''۔

اب اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا آنا اسی طرح مراد ہے جو اس کی عظمت اور شان کے لائق ہے اور وہ اس میں کسی طرح کی تاویل اور تحریف نہیں کرتے ہم اہل سنت والجماعت کو اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء اور صفات جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں میں اسی منہج اور راستہ پر چلتا ہوا پاتے ہیں اور یہ وگ فرقہ معطلہ جھمیۃ ومعتزلہ اور فرقہ مشبہہ کے درمیان معتدل ہیں۔فرقہ مشبھہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور یہ لوگ تأویل اور تعطیل کی وجہ سے ہلاکت میں پڑ گئے کیونکہ انہوں نے ماسوائے مخلوق کی صفات کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات کو سمجھا ہی نہیں جب ان گمراہوں نے تشبیہ سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے اور اس سے خلاصی حاصل کرتے ہوئے تأویل اور تعطیل کی طرف پناہ لی۔اب ان کی مثال ایسے ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے تپتی دھوپ سے بھاگ کر آگ سے پناہ ڈھونڈنے لگا۔چنانچہ وہ جس سے بھاگے ہیں اس سے بھی بدتر راہ میں پڑ گئے۔

پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء اور صفات پر ایمان لائیں اور ان کو اس نہج پر ثابت کریں جو اس کی شان اور عظمت کے لائق ہے۔ایک بدعتی نے امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر استواء کی کیفیت کے متعلق سوال کیا تو امام مالکؒ نے کتنا اچھا جواب دیا: فرمایا استواء معلوم ہے (کیونکہ قرآن کریم میں الرحمٰن علی العرش استوی آیا ہے) اور کیفیت مجہول ہے (کیونکہ اس کیفیت کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو خبر نہیں دی) اور اس کیفیت کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔اس کے بعد امام مالکؒ نے حکم دیا کہ اس بدعتی کو مجلس سے نکال دیا جائے۔امام مالکؒ کا مقولہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں جاری ہوتا ہے اور یہ بہت بڑا قاعدہ ہے اور مناسب ہے کہ انسان اس سے آگاہ رہے اس کو حاصل کرے اور قاعدہ پر چلے تاکہ ہم فرقہ معطلہ کی گمراہی اور فرقہ مشبھہ کے ٹیڑھے پن اور ان کی کج روی سے محفوظ ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں گمراہ ہونے والوں کی گمراہی کا سبب

صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ میں سے سلف صالحین کا منشاء اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات پر ایمان لانا رہا ہے: جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں: حتی کہ فرقہ جھمیہ کا ظہور ہوا اور اس فرقہ کی نسبت جہم بن صفوان کی طرف ہے جو کہ اس گمراہ فرقہ کا بانی تھا۔

اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء وصفات کی نفی کرنے کی فکر فاسد جعد بن درہم سے حاصل کی اور جعد نے اس فکر کو ابان بن سمعان سے حاصل کیا اور ابان نے اس گندی فکر اور سوچ کو لبید بن اعصم یہودی کی بہن کے بیٹے طالوت یہودی سے لیا پس تعطیل کی فکر کا منشاء یہودیوں سے ہوا۔اس لئے کہ جہم بن صفوان اور اس سے آگے آنے والے لوگ اس فکر میں یہودیوں کے شاگرد تھے۔پھر یہ فکر اور منشاء دوسری صدی میں واصل بن عطاء اور عمرو بن عبید (جنہوں نے معتزلہ مذہب کی بنیاد ڈالی) کیلیڈری کی وجہ سے عام ہوگئی اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء کو ثابت کرنا اور تمام صفات کا انکار کرنا یا تأویل کرنا معتزلہ کا مذہب ہے پھر ان میں سے کئی فرقے پھیل گئے اور ہمارے آج کے زمانے تک تاویل اور تعطیل کے سلسلے میں ایک باطل اصول پر بنیاد ڈالی جس کو انہوں نے اپنی طرف سے گھڑا ہے۔انہوں نے کہا ہے کہ یہ صفات اجسام کی صفات ہیں اب ان کو ثابت کرنے سے اللہ تعالیٰ کا جسم ہونا لازم آئے گا یہ ہے ان کی عقلوں کے گمراہ ہونے کا منشاء اور سبب انہوں نے ماسوائے مخلوق کی صفات کی خصوصیتوں کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات کو سمجھا ہی نہیں انہوں نے ابتداً اپنی فاسد رائے سے اللہ تعالیٰ کو ناقصات، معدومات اور جمادات کے ساتھ تشبیہ دی اور دوسری دفعہ انکار کر دیا اور تیسری دفعہ ہر ناقص اور معدوم کے ساتھ تشبیہ دی اور جس پر قرآن وسنت دلالت کرتے ہیں بالکل چھوڑ دیا۔امت کے سلف اور صالحین اور آئمہ کرام رحمہم اللہ، اللہ تعالیٰ کے لیے وہی صفات ثابت کرتے ہیں جن صفات کو اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کیا ہے یہ حضرات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کیلئے مثالیں بیان کرتے ہیں نہ صفات کا انکار کرتے ہیں کیونکہ صفات میں کلام کرنا ذات میں کلام کرنے کی فرع ہے جیسا کہ فرقہ معطلہ اللہ تعالیٰ کے لیے ذات جو کہ ذوات کے مشابہ نہیں ہے ثابت کرتے ہیں۔اہل سنت والجماعت بھی یہی کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کیلئے وہی ثابت کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کیلئے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں۔وہ قرآن وسنت پر ایمان لاتے ہیں وہ اختلاف نہیں کرتے جیسا کہ فرقہ معطلہ نے اختلاف کیا ہے اور اپنے مذہب کی بنیاد اس فاسد اصول پر جو عقل اور نقل کے خلاف ہے رکھی ہے۔

شرک کی تعریف اوراس کی قسمیں

شرک کہتے ہیں کہ انسان اس چیز میں جس کا اللہ تعالیٰ کوحق ہے اللہ تعالی کے ساتھ غیر اللہ کو برابر کرے اوراس میں شریک کرے مطلب یہ ہے کہ عبادت کی تمام اقسام میں کسی قسم کو غیر اللہ کے لئے پھیر دینا اسکی دوقسمیں ہیں: (۱): شرک اکبر، (۲): شرک اصغر۔

شرک اکبر:

عبادت کی تمام اقسام میں سے کسی قسم کو غیر اللہ کی طرف پھیرنا شرک اکبر کہلاتا ہے۔ جیسا کہ کوئی غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرے یا نذر مانے یا غیر اللہ کو پکارے یا اس سے فریادرسی کرے یہ ایسا ہے کہ جیسے اس نے بتوں کو پکارا ہے اوراولیاء اورصالحین کی قبروں پر جا کر فریادرسی کرتا ہے اوروہ اس چیز کو مدنظر رکھتا ہے کہ یہ مجھے اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں گی اب جو آدمی اس مہلک مرض میں مبتلاء ہے وہ کافر اورمشرک ہے اوردائرہ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں اوراللہ تعالیٰ اس کا کوئی بھی عمل قبول نہیں کرے گا اگر وہ اپنے اس شرک پر بغیر توبہ کئے مرگیا وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من مات وهو يدعون من دون الله نداً دخل النار. (بخاری كتاب التفسير ج ۱۷۶/۸)

جواس حالت میں مرگیا وہ اللہ کے علاوہ اوروں کو پکارتا تھا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ کیونکہ شرک تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے جو حالت شرک پر مرگیا تو اللہ تعالیٰ اسے کبھی بھی نہیں بخشے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء ومن يشرك بالله فقد ضل ضلالا بعيدا﴾

(النساء:۱۱٦)

''اسے اللہ تعالیٰ قطعاً نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے ہاں شرک کے سوا کے گناہ جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا بہت دورکی گمراہی میں جا پڑا''۔

﴿ انه من يشرك بالله فقد حرم الله عليه الجنة وما واه النار وما للظلمين انصار﴾ (المائدۃ:۷۲)

''یقین مانو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کردیتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اورگناہ گاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان کردیا کہ جو اس کے ساتھ شریک کرے گا اس کا کوئی عمل قابل قبول نہیں ہوگا۔

﴿ وقدمنا الىٰ ما عملوا من عمل فجعلناه هباء منثوراً ﴾ (الفرقان:۲۳)

''انہوں نے جو اعمال کئے تھے ہم نے ان کی طرف متوجہ ہوکر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کردیا''۔

شـــــرک اصـــغر

شرک اصغر کی چند مثالیں پیش کی جاتیں ہیں:

(۱): ریا کاری انسان اس نیت سے عمل کرے کہ لوگ اس عمل کی بناء پر اس کی تعریف کرنے لگیں بس وہ لوگوں سے صرف اپنی تعریف کروانا چاہتا ہے اور یہ بہت ہی خطرناک گناہ ہے کیونکہ یہ دل کا عمل ہے اس پر ماسوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی مطلع نہیں ہوتا اس ریا کاری کی وجہ سے تمام اعمال غارت ہوجاتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ڈرایا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اخوف ما أخافٍ عليكم الشرك الأصغر. (مسند احمد ۴۲۸/۵، سنن ابی داؤد جلد ۴ / ۲۱۲)

''میں تم پر شرک اصغر سے بہت خوف کرتا ہوں''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ریا کاری ہے اور ریا کاری اخلاص کے منافی ہے۔

(۲): شرک اصغر کی مثالوں میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی کہہ دے کہ اگر اللہ تعالیٰ اور فلاں شخص نہ ہوتا تو میرے ساتھ اس طرح ہوجاتا یا یوں کہہ دے جو اللہ تعالیٰ اور فلاں شخص چاہے اور جو آپ چاہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

''**أجعلتني لله عدلاً بل ماشاء الله وحده**'' کیا تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابر کردیا بلکہ (آپ یہ کہیں کہ) جو اللہ تعالیٰ اکیلا چاہے۔

(۳): شرک اصغر کی ان کے علاوہ بھی مثالیں ہیں جن کو یہاں پر ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے سمجھنے کیلئے اتنی ہی کافی ہیں۔اب ہمیں چاہیے کہ ہم شرک اکبر اور شرک اصغر سے متنبہ ہوجائیں کیونکہ یہ دونوں گناہ کبیرہ میں سے ہیں اور ان گناہوں سے بچنے کیلئے ہم قرآن وسنت کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور توحید کو ثابت کریں۔شرک اور تمام قسم کی بدعتوں سے جو مسلمانوں کے عقائد میں ان کی بے شعوری کی وجہ سے داخل ہوچکی ہیں خلاصی اور چھٹکارا حاصل کرلیں۔

اس باب کی اہمیت

شرک سب سے بڑا گناہ ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی ہے اور اس کا خطرہ بہت بڑا ہے اور یہ چیونٹی کے چلنے سے بھی باریک اور خفیف ہوتا ہے اس لئے ہر مسلمان پر اس کی پہچان واجب ہے تاکہ وہ اس سے محفوظ رہے۔ اور اپنے معاملہ میں صاف ستھری راہ پر ہو جائے اور اس میں واقع ہونے سے محفوظ ہو جائے یہاں پر اس کے اسباب بہت زیادہ ہیں جو ہم کو اس باب کے پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں ہم ان اسباب کو مختصراً ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۱): رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اس امت میں عنقریب شرک واقع ہوگا اور بتوں کی پوجا کرنے والے لوگ پائے جائیں گے اور پہلے والے مشرکین کے راستہ پر چلیں گے اس کے متعلق تو احادیث کثرت سے ہیں لیکن ہم انشاء اللہ تعالیٰ چند احادیث ذکر کریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یذ هب اللیل والنهار حتی تعبد اللات والعزی. (صحیح بخاری ۱۲۶/۹، صحیح مسلم ۵۷/۸)

''زمانہ زیادہ نہیں گزرے گا یہاں تک کہ لات اور عزی کی پرستش کی جائے گی''

لاتقوم الساعة حتی تلحق قبائل من امتی بالمشرکین وحتی تعبد قبائل من امتی الأوثان . (ابوداؤد)

''قیامت قائم نہیں ہوگی حتی کہ میری امت کے کئی قبیلے مشرکین سے جاملیں گے اور یہاں تک کہ میری امت کے کئی قبیلے بتوں کی پوجا کرنے لگیں گے''

لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرا بشبر ذراعًا بذراع ، حتی لو دخلوا حجر ضب لد خلتموه . (صحیح البخاری ۱۲۶/۹ و صحیح مسلم ۵۷/۸).

''تم پہلے لوگوں کے طور طریقوں کی ضرور پیروی کرو گے بالشت برابر بالشت کے اور باز و بدلے باز و کے یہاں تک کہ اگر وہ گوہ (ضب) کے بل میں گھسے تو تم بھی گھس کر رہو گے''۔

ان احادیث کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جن کا اس مقام میں احاطہ کرنا مشکل ہے جس چیز کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے وہ آج اس امت میں ثابت اور واضح ہو چکی ہے جیسا کہ ہم اپنے اس زمانہ کے مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے دین حق سے منہ موڑ رہے ہیں اور بزرگوں کی قبروں سے چمٹ رہے ہیں اور وہاں چلہ کشی بھی کر رہے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو چھوڑ کر ان کے نام پر جانور ذبح کر رہے ہیں اور نذر و نیاز دے رہے ہیں۔

(۲): مسلمانوں سے اس بات کا مطالبہ ہے کہ وہ شرک وبدعت کو پہچان لیں اور اس سے دور رہیں اور ڈریں اگر اس نے شرک وبدعت کو پہچانا نہیں تو بسا اوقات بے شعوری کی وجہ سے اس واقع ہو جائے گا۔ اس پر حضرت حذیفہؓ کا قول دلالت کرتا ہے وہ فرماتے ہیں:

کان الناس یسئلون رسول الله ﷺ عن الخیر وکنت أساله عن الشر مخافة ان اقع فیه. (صحیح بخاری ج۲/۶۱۵ و مسلم کتاب الامارات ۱۴۷۵/۳)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ خیر کے متعلق سوال کرتے تھے اور میں آپ سے شر کے متعلق سوال کرتا تھا اس خوف سے کہ میں اس میں واقع نہ ہو جاؤں''۔

(۳): اب حالت اور واقعہ یہ ہے کہ جس کی طرف مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد پہنچ چکی ہے آپ اسلامی ممالک میں کوئی ایسا ملک نہیں پائیں گے جو شرک وبدعت سے خالی ہو اس میں اجتماعات ہوتے ہیں جن کی تعظیم کی جاتی ہے اور قبروں کی تعظیم کی جاتی ہے ان کے لئے نذریں مانی جاتیں ہیں ان کے پاس جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے اور قبر والوں سے فریاد رسی کی جاتی ہے ان کے پاس چراغ جلائے جاتے ہیں اور وہاں میلے لگائے جاتے ہیں اور قبر والوں سے حاجتوں کو پورا کرنے، مصیبتوں کو دور کرنے اور بیماریوں کو زائل کرنے کا سوال کیا جاتا ہے مشرک اور بدعتی یہ خیال فاسد کرتے ہیں کہ قبر والے مردے ہم کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کر دیں گے۔

اب ہر عقل سلیم رکھنے والے سے سوال ہے کہ یہاں قبروں کی پوجا کرنے والوں کے درمیان اور بتوں کی پوجا کرنے والوں کے درمیان کیا فرق ہے

؟ حالانکہ یہ دونوں مخلوق ہیں۔ مشرکین مکہ بھی بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے اور ان سے فریادرسی کرتے تھے اور آج کے مشرک بھی اپنے اباؤ اجداد کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اب جس کے پاس عقل سلیم ہوگی اور اس کے چہرے پر کچھ حیا ہوگی تو وہ جواب یہی دے گا یہ مخلوق ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے تعلق نہیں رکھنا چاہیے جو خود اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے تو وہ دوسروں کے لئے بطریق اولیٰ کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ گم کردہ چیز کو دوسرے کو کچھ نہیں دے گی انہی اسباب کی وجہ سے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم شرک اور اس کی حقیقتوں اور اس کے خطرات کے بیان کو پہچان لیں۔

دنیا میں شرک کے واقع ہونے کا سبب

سب سے پہلا شرک جو لوگوں میں واقع ہوا ہے وہ نیک لوگوں کی تعظیم میں غلو کرنے کے سبب رونما ہوا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب جہالت عام ہو جائے اور علم کم ہو جائے تو پھر شیطان لوگوں کے اندر گھس جاتا ہے اور ان کے لئے نیک لوگوں کا وسیلہ پکڑنا مزین کر دیتا ہے اس کے بعد ان کو نیک لوگوں کی عبادت کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول اس آیت کی تفسیر میں دلالت کرتا ہے:

﴿ وقالوا لا تذرن الٰهتكم ولا تذرن ودًا وّلا سواعًا ولا يغوث ويعوق ونسرًا ﴾ (نوح : ۲۳)

''اور کہا انہوں نے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا نہ ود کو چھوڑنا اور سواع یغوث اور یعوق اور نسر کو''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام تھے جب یہ لوگ وفات پا گئے تو شیطان لعین نے ان کی قوم کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ تم ان کے مجسمے بنالو اور ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرو تو انہوں نے ایسا ہی کیا جب ایک زمانہ گزر گیا اور یہ لوگ بھی فوت ہو گئے اور ان کے بعد کی نسلیں آ گئیں اور علم بھول گیا تو وہ انہیں مجسموں کی عبادت کرنے لگے۔ (بخاری کتاب التفسیر ج۸ ص ۶۶۷)

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب ان لوگوں نے مجسمے بنائے تھے تو اس وجہ سے کہ یہ نیک لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرتے تھے تو ہم بھی ان کے مجسموں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے زمانہ گزر گیا بعد میں اور لوگ آ گئے اور علماء فوت ہو گئے جہالت پھیل گئی علم ختم ہو گیا تو شیطان لعین ان لوگوں کے پاس آیا اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ تمہارے آباؤ واجداد انہی بتوں کی عبادت کرتے تھے تو یہ جاہل انہی کی عبادت کرنے لگے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے بت بعینہ نبی علیہ السلام کی بعثت سے پہلے عرب کے ہاں پائے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے غلو کرنے سے ڈرایا ہے فرمایا:

﴿ يا اهل الكتاب لا تغلوا فى دينكم ﴾ (النساء:۱۷۱)

''اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایاکم والغلو فانما اهلک من كان قبلكم الغلو. (نسائی فی المناسک ج ۵/ ۲۱۸، ابن ماجة ج ۲/ ۱۰۰۸ و مسند احمد ۱/ ۲۱۵ بخاری ۱۳/ ۵۷۵)

''غلو کرنے سے بچ جاؤ تم سے پہلے لوگوں کو غلو نے ہلاک کر دیا''۔

کلمہ شہادت کا مفہوم

الشیخ عبدالکریم الدیوان

الحمد للّٰہ والصلاۃ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ وعلی آلہ وصحبہٖ ومن والاہ وبعد!

امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دین اسلام کی بنیاد اور مخلوق پر عائد ہونے والی اولین ذمہ داری کلمہ شہادت کا اقرار ہے یعنی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ رسول ہیں، چنانچہ کلمہ شہادت ہی کے ذریعہ ایک کافر، مسلمان اور دشمن، دوست بن کر اپنی جان اور مال کیلئے حرمت وعصمت حاصل کرتا ہے، نیز ایک کافر شخص جب تک زبان سے کلمہ شہادت نہیں پڑھے گا وہ مسلمان نہیں کہلائے گا، کیونکہ کلمہ شہادت ہی اسلام کی کنجی اور اس کا پہلا بنیادی رکن ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

بني الاسلام علىٰ خمس : شهادةً أن لا اله الا الله وأن محمدا رسول الله . **(متفق عليه)**

''اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر قائم ہے، پہلا رکن اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

استطاعت کے باوجود کلمہ نہ پڑھنے والے کا حکم: شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: جس شخص نے استطاعت کے باوجود زبان سے کلمۂ شہادت نہیں پڑھا وہ متفقہ طور پر کافر ہے۔ ہاں اگر وہ حسی یا حکمی طور پر کلمہ پڑھنے سے عاجز ہے و بے بس ہے تو اس کا حکم اس کی حالت پر موقوف ہے۔

لا الہ الا اللہ کا مفہوم: کلمہ لا الہ الا اللہ نفی اور اثبات دو چیزوں پر مشتمل ہے، پہلے جزو ''لا الہ'' ہیں جملہ باطل معبودوں کی نفی، اور دوسرے جزو ''الا اللہ'' میں خاص اللہ تعالیٰ کے لئے الوہیت کا اثبات ہے، پس لا الہ الا اللہ کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے، اور بعض جاہلوں کا جو یہ خیال ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا مطلب صرف زبان سے پڑھ لینا، یا اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کر لینا، یا ہر اس چیز پر اس کی حکومت و بادشاہت کو بلا شرکت غیر تسلیم کر لینا ہے تو یہ خیال بالکل فاسد ہے۔ کیونکہ اگر لا الہ الا اللہ کا مفہوم یہ ہوتا تو اہل کتاب یہود و نصاری نیز بت پرستوں کو اس کی طرف دعوت دینے کی ضرورت ہی کیا تھی جبکہ وہ اتنی بات کے قائل تھے۔

ایک اور اشکال اور اس کا جواب: بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ کلمۂ لا الہ الا اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے کیونکر درست ہوسکتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی بہت ساری چیزیں ہیں جن کی عبادت اور پرستش کی جاتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن کریم میں ''آلھـــۃ'' کے نام سے موسوم کیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

فما أغنت عنهم آلهتهم يدعون من دون الله من شئ لما جاء أمر ربک. **(هود: ١٠١)**

''جب تمہارے رب کا عذاب آ گیا تو ان کے یہ معبود جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے ان کے کچھ کام نہیں آئے''۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معبود جن کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہے باطل اور نادرست ہیں یہ کسی طور پر بھی عبادت کے ایک معمولی حصہ کا بھی حق دار نہیں ہیں اور ان کے بطلان کیلئے یہ آیت کریمہ واضح اور ٹھوس دلیل ہے، ارشاد باری ہے:

ذلک بأن الله هو الحق وأن ما يدعون من دونه هو الباطل وأن الله هو العلي الكبير. **(الحج: ٦٢)**

''یہ اس لئے کہ اللہ ہی برحق ہے، اس کے علاوہ سارے معبود باطل ہیں، اور اللہ تعالیٰ بلند اور بڑائی والا ہے''۔

پس لا الہ الا اللہ کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اور اسی کا نام توحید ہے۔

اعمال کی صحت وقبولیت کلمۂ شہادت پر موقوف ہے: انسان کا ہر عمل بارگاہ الٰہی میں اس وقت صحیح اور قابل قبول ہوگا جب وہ جادۂ توحید پر قائم ہوگا، اگر وہ توحید سے عاری ہے تو اس کا سارا عمل اکارت اور رائیگاں ہے، کیونکہ شرک کی آلودگی کے ساتھ کوئی عبادت درست نہیں ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد گرامی ہے:

ماکان للمشرکین أن یعمروا مساجد اللہ شاھدین علی أنفسھم بالکفر اولئک حبطت اعمالھم وفی النار ھم خالدون.

(توبۃ:۱۷)

''مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں حالانکہ وہ اپنے اوپر کفر کے گواہ ہیں، ان کے سارے اعمال رائیگاں ہیں اور انہیں جہنم کی آگ میں ہمیشہ کیلئے رہنا ہے''۔

کلمۂ شہادت کے شروط ولوازم: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا محض زبانی اقرار سے شہادت صحیح ومعتبر ہوگی؟ خواہ عمل کیسا بھی ہو۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: یہ خیال غلط اور جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ کلمۂ شہادت مجرد ایک کلمۂ ہی نہیں جسے زبان سے ادا کرلیا جائے بلکہ اس کا ایک عظیم مفہوم ہے جس کا تحقق بھی ضروری ہے، یعنی جب کوئی شخص کلمہ پڑھے تو ساتھ ہی ساتھ اس کے مفہوم کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرتے ہوئے اس کے تقاضوں کو پورا کرے، نیز اس کے منافی تمام امور سے اجتناب کرے، ایسی صورت میں وہ حقیقی مسلمان ہوگا اور اس کے جان ومال کیلئے حرمت ثابت ہوگی، ورنہ بلا معرفت وعمل کلمۂ شہادت کا زبانی اقرار کسی بھی حالت میں نفع بخش نہیں ہے۔ بنابریں شہادت کی صحت کیلئے مندرجہ ذیل چھ امور لازمی ہیں:

۱۔ ساری عبادتیں خالص اللہ کیلئے کرنا: یعنی بندہ کی نماز، روزہ، دعاء، فریاد، نذر ومنت، ذبح وقربانی اور دیگر عبادتیں خالص اللہ کیلئے ہوں، اگر ان عبادتوں کا ایک معمولی سا حصہ بھی غیر اللہ کیلئے کیا خواہ وہ کوئی بھی ہو تو اس کی شہادت غیر معتبر ہوجائے گی وہ توحید پرست نہیں بلکہ مشرک ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وقضی ربک أن لا تعبدوا الا ایاہ (اسراء: ۲۳) اور تمہارے رب نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تم لوگ صرف اسی کی عبادت کرو۔

اور یہی کلمہ لا الہ الا اللہ کا مطلب ہے، نیز تمام علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کلمۂ شہادت پڑھنے کے بعد اگر کوئی شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے تو اس سے لڑائی کی جائے یہاں تک کہ وہ توحید کو بجالائے۔

۲۔ اللہ اور رسول کی خبر دی ہوئی تمام غیبی باتوں پر ایمان لانا، پس شہادت کے تحقق کیلئے جنت وجہنم، آسمانی کتب، انبیاء ورسل، یوم آخرت بھلی اور بری تقدیر اور دیگر امور غیب پر ایمان لانا ضروری ہے۔

۳۔ اللہ کے علاوہ تمام باطل معبودوں کا انکار کرنا جیسا کہ مسلم شریف میں ارشاد نبوی ہے:

من قال لا الہ الا اللہ وکفر بما یعبد من دون اللہ حرم مالہ ودمہ وحسابہ علی اللہ. (اخرجہ مسلم)

''جس شخص نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھا اور اللہ کے سوا تمام باطل معبودوں کا انکار کیا تو اس کی جان ومال کیلئے حرمت ثابت ہوگئی اور اس کا حساب وکتاب اللہ کے سپرد ہے''۔

پس اس حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جان ومال کی عصمت وحرمت دو چیزوں پر معلق ومشروط قرار دیا ہے، پہلی کلمۂ شہادت کا اقرار، اور دوسری تمام باطل معبودوں کی عبادت کا انکار، لہٰذا حقیقی مسلمان وہ ہے جو مشرکوں سے کنارہ کش ہوکر ان کی عبادت کا انکار کرے، اور ان سے کوئی تعلق نہ رکھے، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین اور ان کی عبادت سے براءت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

انني براء مما تعبدون الا الذي فطرني. (زخرف: ۲۶-۲۷)

''میرا تمہارے معبودوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، میرا تعلق اس ذات سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے''۔

اور یہی مفہوم اس آیت کریمہ کا بھی ہے:

فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ. (بقرۃ: ۲۵۶)

''جس نے طاغوت کا انکار کیا، اور اللہ پر ایمان رکھا تو اس نے مضبوط سہارا تھام لیا''۔

آیت کریمہ میں ''عروۃ الوثقی'' سے مراد دین اسلام ہے، اور کفر بالطاغوت سے مراد طاغوت کی عبادت کا انکار اور اس سے برأت کا اظہار کرنا ہے، اور طاغوت سے مراد اللہ کے ماسوا وہ تمام چیزیں ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔ مگر انبیاء کرام، صالحین، اور فرشتے طاغوت میں داخل نہیں ہیں، کیونکہ یہ ان کی عبادت سے راضی نہیں تھے، بلکہ ایسا شیطان کے ورغلانے سے ہوا۔

۴۔ کلمۂ لا الہ الا اللہ کے تقاضے کے مطابق اللہ ورسول کے احکام پر عمل پیرا ہونا، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

فان تابوا وأقاموا الصلاة وأتوا الزكوٰة فخلوا سبيلهم . (توبة: ۵)

''پس اگر وہ شرک سے توبہ کر کے نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے لگیں تو تم ان کا راستہ چھوڑ دو''۔

اور یہی بات قدرے وضاحت کے ساتھ حدیث شریف میں بھی مذکور ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

أمرت ان أقاتل الناس حتى يشهد وا أن لااله الاالله وأن محمدا رسول الله ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكوٰة فان فعلوا ذلك عصموا منى دماء هم وأموالهم الا بحق الاسلام وحسابهم على الله. (متفق عليه)

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑائی کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ ہی معبود برحق ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کر کے زکوۃ دینے لگیں، اگر وہ ان امور کو بجالائیں تو ان کے جان و مال میری جانب سے محفوظ ہیں، الا یہ ان پر کوئی شرعی حد واجب ہو اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے''۔

اور مندرجہ بالا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب وہ شرک سے توبہ کر کے توحید پہ قائم ہو جائیں اور نماز وزکوۃ کی ادائیگی کے پابند ہو جائیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو یعنی ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کرو۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: جو لوگ اسلام کے متواتر وثابت شدہ شرائع کی پابندی سے منہ موڑتے ہیں ان سے لڑائی کرنا واجب ہے۔ یہاں تک کہ وہ شرائع اسلام کے پابند ہو جائیں خواہ وہ کلمہ گو اور اسلام کے بعض احکام کے پابند ہی کیوں نہ ہوں۔ جس طرح خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مانعین زکوۃ سے قتال کیا تھا، اور پھر اسی پر فقہاء کرام کا اجماع واتفاق ہو گیا۔

۵۔ کلمۂ شہادت کے تحقق کے لئے مندرجہ ذیل شرطوں کا بھی پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ علم جو جہالت کے منافی ہو: یعنی کلمہ پڑھنے والے کو اس بات کا پوری طرح علم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں ہے۔

۲۔ یقین جو شک کے منافی ہو: یعنی اسے کامل یقین ہو کہ اللہ ہی معبود برحق ہے۔

۳۔ اخلاص: یعنی وہ اپنی ساری عبادتیں خالص اللہ کیلئے کرے، اس کا ادنیٰ حصہ بھی غیر اللہ کے لئے نہ ہو ورنہ وہ مشرک ہوگا۔

۴۔ صدق: یعنی وہ صدق دل سے کلمہ پڑھے۔ اس کے دل وزبان کے درمیان ہم آہنگی ہو، ایسا نہ ہو کہ زبان پہ لا الہ الا اللہ کا ورد ہو اور دل ودماغ میں اس کا کوئی اثر نہ ہو، اگر ایسی بات ہے تو اس کی شہادت غیر مفید ہوگی اور وہ دیگر منافقوں کی طرح کافر ہوگا۔

۶۔ انقیاد: یعنی وہ خالص اللہ کی بندگی کرے، شریعت الٰہی کا پابند ہو، نیز اس کا ایمان واعتقاد ہو کہ یہی برحق ہے۔ پس جو شخص غرور وگھمنڈ کی وجہ سے اس سے اعراض کرے گا وہ ابلیس اور اس کے پیروکاروں کی طرح کافر ہوگا۔

۷۔ قبولیت: یعنی وہ کلمۂ شہادت کے مدلول کو قبول کرے بایں طور کہ اپنی ساری عبادتیں خالصۃً لوجہ اللہ کرے اور معبودان باطلہ کی عبادت سے کنارہ کش ہو، نیز وہ اس کا التزام کرے اور اس سے مطمئن ہو۔

۶۔ شہادت کی صحت کیلئے واجب ہے کلمہ پڑھنے کے بعد اس کے نواقض اور منافی امور میں سے کسی چیز کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ اور نواقض شہادت درج ذیل ہیں:

۱۔ اپنے اور اللہ کے درمیان واسطے بنانا، ان سے دعائیں مانگنا، شفاعت طلب کرنا اور ان پر بھروسہ کرنا اگر کسی نے کلمہ پڑھنے کے بعد ایسا کیا تو وہ اجماعی طور پر کافر ہے۔

۲۔ مشرکوں کو کافر سمجھنا، یا ان کے کافر ہونے میں شک کرنا، یا ان کے مذہب کو صحیح سمجھنا، ایسا کرنے سے کلمۂ شہادت کا اعتبار ختم ہو جائے گا۔

۳۔ یہ اعتقاد رکھنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کا طریقۂ زندگی جامع و مکمل ہے یا آپ کے طریقۂ حکومت سے کسی اور کا طریقۂ حکومت افضل و بہتر ہے، مثلاً طاغوتی نظام حکومت کو آپ کے نظام حکومت پر ترجیح دینا۔

۴۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت میں سے کسی چیز کو ناپسند کرنا۔ ایسا کرنے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اگرچہ وہ اس عمل پیرا ہی کیوں نہ ہو۔

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں سے کسی چیز کا یا اس کے جزا وسزا کا مذاق اڑانا، ایسا کرنے والا کافر ہے۔ اور اس کی شہادت بے سود ہے۔

۶۔ مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی مدد وحمایت کرنا۔

۷۔ یہ اعتقاد رکھنا کہ کچھ مخصوص لوگ شریعت محمدی کے حدود وقیود کی پابندی سے آزاد ہیں۔

۸۔ اللہ کے دین سے اعراض کرنا، بایں طور کہ نہ اسے سیکھنا اور نہ اس پر عمل کرنا۔

۹۔ دین الٰہی کے کسی حکم کو جھٹلانا۔

۱۰۔ اللہ اور رسول کی حرام کردہ چیز کو حلال ومباح سمجھنا، مثلاً یہ کہنا کہ سود حلال ہے یا زنا حلال ہے۔

روایتوں میں تعارض اور تطبیق

صحیحین کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما من عبد قال : لااله الاالله ثم مات علی ذلک الا دخل الجنة. (متفق علیه)

''جس نے کلمہ پڑھا اور اسی پر اس کی موت ہوئی تو وہ جنت میں داخل ہوگا''۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: **من شهد أن لااله الاالله و أن محمدا عبده و رسوله حرم الله علیه النار.** ''جس نے گواہی دی کے اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، تو اس کے اوپر اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ کو حرام کر دیا۔

مذکورہ بالا دونوں روایتیں بظاہر بعض متواتر روایتوں سے متعارض ومتصادم نظر آتیں ہیں، کیونکہ ان کے ظاہری مفہوم سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ انسان کے جنت میں داخل ہونے اور جہنم کی آگ سے نجات پانے کیلئے صرف کلمہ شہادت کا زبانی اقرار ہی کافی ہے جبکہ دوسری بعض متواتر روایتوں میں بصراحت مذکور ہے کہ جہنم کی آگ سے ہر اس شخص کو نکالا جائے گا جس کے دل میں جو کے ایک دانے کے برابر خیر ہوگا۔ نیز اس کے اعضاء سجود جہنم کی آگ پر حرام ہونگے۔ یہ اس بات کا محکم ثبوت ہے کہ کلمہ پڑھنے کے باوجود بعض لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے ان کا محض زبانی اقرار جہنم سے بچاؤ کیلئے کافی نہ ہوگا۔

تو ان روایتوں میں تطبیق کے سلسلہ میں سب سے عمدہ اور فیصلہ کن بات شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے کہی ہے، فرماتے ہیں: یہ روایتیں جو بظاہر مطلق نظر آتی ہیں حقیقت میں یہ چند اہم قیود سے مقید ہیں، جیسا کہ پہلی روایت میں ''**ثم مات علی ذلک**'' اور بعض روایتوں میں ''**خالصًا من قلبه**'' کی قیس صراحتا موجود ہے، پس ان قیود ومخصصات کے پیش نظر ان روایتوں کے مصداق صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے یقین محکم اور صدق دل سے کلمہ پڑھا اور اسی پر ان کی موت ہوئی، یعنی تادم حیات وہ اس پر ثابت قدم رہے، رہی وہ روایتیں جن سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ بعض لوگ کلمہ پڑھنے کے باوجود جہنم میں جائیں گے، تو ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دیکھا دیکھی یا رسمی طور پر کلمہ پڑھ لیا مگر ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا یا وہ مرتے دم تک اس پر قائم نہیں رہے۔ اور اکثر ایسا ہی لوگ کرتے ہیں، چنانچہ جس نے اخلاص قلب اور یقین کامل سے کلمہ پڑھا، پھر اس نے کسی گناہ پر اصرار نہیں کیا اس کے نزدیک اللہ کی محبت ہر چیز پر غالب

رہی، نہ تو اس کے دل میں کسی حرام کے ارتکاب کا خیال گذرا اور نہ ہی اس نے اللہ کے کسی حکم کو ناپسند کیا، تو ایسا شخص یقیناً جہنم کی آگ پر حرام ہوگا۔

امام حسن بصریؒ سے دریافت کیا گیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا وہ جنت میں داخل ہوگا، تو جواب دیا: ہاں اگر اس نے کلمہ پڑھنے کے بعد اس کے حقوق وواجبات کو ادا کیا تو جنت میں داخل ہوگا۔ اسی طرح امام وہب بن منبہؒ سے جب پوچھا گیا کہ کیا لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی نہیں ہے ؟ تو جواب دیا کیوں نہیں؟ ضرور ہے، مگر کنجی میں دانت ہوتے ہیں، اگر تم نے بے دانت کی کنجی لے کر آؤ گے تو اس سے جنت کا دروازہ نہیں کھلے گا۔ **وصلی اللہ علی نبیّنا محمد وعلی اٰلہ و صحبہ اجمعین.**

عبادت اور اس کی قسمیں

عبادت کا لغوی معنی عاجزی کرنا مطیع اور تابعدار ہونا ہے اور شرعًا اس کا معنی یہ ہے کہ عبادات اسے کہتے ہیں جو ایسے اعمال اور اقوال (چاہے ظاہرہ ہوں یا باطنہ) کو جامع ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور یہ عبادت دو اصولوں پر مبنی ہے۔

(۱): خالص اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرنا۔

(۲): عبادت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا۔

جب تک یہ دو شرطیں نہیں پائی جائیں گی تو عبادت صحیح نہیں ہوگی جیسا کہ ہم پہلے اس پر تفصیل سے کلام کر چکے ہیں۔ عبادت کی کئی قسمیں ہیں ان تمام کو اکیلے اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے کرنا واجب ہے اگر جس نے غیر اللہ کیلئے کوئی عبادت کی تو وہ مشرک اور کافر ہے دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ان شاء اللہ ہم بطور سمجھانے کے لئے عبادت کی چند قسمیں ذکر کریں گے کیونکہ تمام عبادت کی قسموں کا احاطہ کرنا یہاں مشکل ہے۔

(۱): دعا : اللہ تبارک وتعالیٰ سے خیر کو طلب یا کسی مصیبت کے دور کرنے کا سوال کرنے کو کہتے ہیں۔ اب یہ واجب ہے کہ یہ دعا خالص اللہ تعالیٰ سے کی جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وقال ربکم ادعونی أستجب لکم ان الذ ین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین . (غافر:۵۵)

''اور تیرے رب نے کہا کہ مجھے پکارو میں تمہاری فریاد قبول کروں گا جو لوگ مجھے پکارنے سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ اکھٹے جہنم میں داخل ہوں گے ''۔

أدعوا ربکم تضرعا وّ خفیة. (الاعراف:۵۶)

''تم لوگ اپنے رب سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی''۔

وادعوا خوفا وّ طمعًا. (الاعراف:۵۶)

''اور تم اس کو ڈر اور توقع سے پکارو''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدعا ھو العبادة. (ابوداؤد باب الوتر ج ۲/ ۴۶۱ والدعوات ج ۵/ ۴۵۶ ابن ماجہ ۲/ ۲۵۸ احمد ۴/ ۲۶۷)

''دعا عبادت ہے''۔

یہ نصوص دلالت کرتی ہیں کہ دعاء عبادت کی قسموں میں سے خاص ترین اور اہم ترین عبادت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے غیر اللہ سے دعا کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ فرمایا:

ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الیٰ یوم القیامة وھم عن دعائھم غافلون. (الاحقاف)

''اس سے بڑا گمراہ کون ہوگا؟ جو اللہ تعالیٰ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا کو قبول نہ کرسکیں بلکہ ان کے پکارنے سے وہ محض بے خبر ہیں''۔

واذا حشر الناس کانوا لھم أعداء وکانوا بعبادتھم کافرین. (الاحقاف:٦)

''اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کریں گے''۔

والذین تدعون من دونہٖ ما یملکون من قطمیر – ان تدعوھم لا یسمعوا دعاء کم ولو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیامة یکفرون بشرککم ولا ینبئک مثل خبیر. (سورة فاطر:١٣–١٤)

''اور جنہیں تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو قبول نہیں کرسکتے بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے تجھے کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبردار خبریں نہ دے گا''۔

یہ آیات اور ان کا مفہوم غیر اللہ سے مدد مانگنے کے خطرہ پر دلالت کرتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ مسلمان ان جیسی آیات قرآنیہ سے کیسے غافل ہیں کیونکہ ہم کئی مسلمانوں کو خصوصاً قبروں کے پاس پاتے ہیں جو ان سے دعائیں مانگ رہے ہیں جن کو یہ لوگ اولیاء کہتے ہیں وہ ان سے یہ گمان فاسد کرتے ہیں کہ یہ ان کی دعا سنتے ہیں اس عمل بد کو شیطان لعین نے ان کے لئے مزین اور خوبصورت بنا دیا ہے۔ یہاں تک کہ حق بات سننے سے ان کے کان بہرے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ ان کی عقلوں کے کس طرح ہوش اڑ گئے ہیں یہاں تک کہ ان احمقوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے کہ قبر میں مردہ ان کو نفع دے گا یا ان کی کوئی مصیبت دور کرے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

قل اتعبدون ما لا یملک لکم ضرا ولا نفعا واللہ ھو السمیع العلیم . (المائدة:٧٦)

''آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کے مالک ہیں نہ کسی نفع کے، اللہ ہی خوب سنے اور پوری طرح جاننے والا ہے۔

استغاثہ اور نذر

(٢): **استغاثہ** :انسان پر اترنے والی مصیبتوں کے دور کرنے کی طلب کو استغاثہ کہتے ہیں بالفاظ دیگر فریاد رسی کرنا اور یہ بھی دعا کی ایک قسم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم . (الانفال: ٩)

''اس وقت یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اس نے تمہاری سن لی''۔

صحیح بخاری میں وارد ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک منافق تھا اور وہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا جو مسلمانوں کو تکلیف اور ایذا پہنچاتا تھا تو لوگوں نے کہا تم ہمارے ساتھ اٹھو ہم اس منافق سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد رسی کرتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انہ لا یستغاث بی وانما یستغاث باللہ. (مجمع الزوائد ج ١٥٩/١٠، طبقات ابن سعد ج ٣٨٧/١)

''مجھ سے فریاد رسی نہیں کی جائے گی صرف اللہ ہی سے فریاد رسی کی جائے گی''۔

یہ حدیث غیر اللہ سے مدد مانگنے اور فریاد رسی کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے بالیقین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس منافق سے چھٹکارا دینے پر قادر تھے مثلاً اس کو مدینہ منورہ سے نکلوا دیتے اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر فریاد رسی کی نکیر فرمائی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے دروازے بند کرنے کے لئے کیا۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مدد طلب کرنا اور فریاد رسی کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ ان کے

علاوہ کسی دوسرے انسان سے جائز ہے۔

(۳):**نذر** :اور وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے اوپر کوئی ایسی عبادت لازم کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر لازم نہیں کی۔ یہ وہ اعمال ہیں جن کے کرنے سے آدمی اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے جبکہ ان اعمال سے اللہ کی رضا مقصود ہو اور یہ اعمال خالص اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوں عبادتوں میں اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں اور یہ اعمال انسان کی طاقت میں ہوں مثلاً یوں کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے لئے اتنے روزے رکھوں گا یا اتنی رکعات نفل پڑھوں گا یا یہ عبادتیں کروں گا ایسے لوگوں کی جو اپنی نذروں (منتوں) کو پورا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

یوفون بالنذر ویخافون یومًا کان شرہ مستطیرا. (الدھر:۷)

''وہ نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من نذر ان یطیع اللہ فلیطعہ ومن نذر ان یعصی اللہ فلا یعصہ. (صحیح البخاری:۸/۱۷۷ عن عائشۃؓ)

''جس نے نذر (منت) مانی کہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کروں گا تو وہ اس کی اطاعت کرے اور جس نے نذر (منت) مانی کہ میں اللہ کی نافرمانی کروں گا تو وہ اس کی نافرمانی نہ کرے''۔

ذبـــح اور نحـــــر

یہ بھی عبادت کی ایک قسم ہے جس میں کئی لوگ گمراہ ہوگئے ہیں اور وہ اس ذبح کے ذریعہ غیر اللہ کا قرب حاصل کرنے لگ گئے ہیں۔ جیسا کہ نیک اور اولیاء اللہ کی قبروں کے پاس جانور کو ذبح کرنا یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ ہمارا صدقہ اس قبر والے مردے کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچے گا یہ بعینہٖ شرک اکبر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ذبح ہو یا کوئی اور عبادت ہو صرف خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہونی چاہئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک أمرت وانا اوّل المسلمین.

(الانعام: ۱۶۲)

''آپ فرمادیں کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خالص اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ملا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں''۔

فصل لربک وانحر . **(سورۃ الکوثر: ۲)**

''تو اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی کر''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ. **(مسلم کتاب الاضاحی ج ۳/۱۵۶۷ والنسائی ج ۷/۲۰۵ ومسند احمد ۱/۱۰۸)**

''غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے والے پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے''۔

بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جگہوں میں غیر اللہ کی پوجا کی جاتی تھی یا وہاں زمانہ جاہلیت میں میلے لگائے جاتے تھے وہاں پر جانور ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ضحاک بن ثابت سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ بوانہ مقام پر (مدینہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے) اونٹ ذبح کرے گا تو اس نے اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا :

هل كان فيها وثن يعبد فقال لا قال كان فيها عيد من اعياد الجاهلية قال لا قال فأوف بنذرك فانه لا وفاء لنذر فی معصية الله ولا فيما لا يملك ابن آدم۔ (ابوداؤد ۳/۶۰۷)

''کیا وہاں کوئی بت تھا جس کی پوجا کی جاتی تھی؟ تو اس صحابی نے عرض کی کہ نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا وہاں زمانہ جاہلیت میں میلہ لگتا تھا؟ تو اس نے عرض کی کہ نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم اپنی نذر کو پورا کرلو کیونکہ جس جگہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو وہاں نذر کو پورا نہیں کیا جاتا اور اس میں بھی نذر کو پورا نہیں کیا جاتا جس کا ابن آدام مالک نہیں ہوتا۔

عبادت کی کئی قسمیں ہیں جیسے محبت، خوف، امید، عاجزی وانکساری، خشیت اور انابت الی اللہ: وغیرھا جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے جس نے کسی عبادت کے ذریعہ غیر اللہ کا قرب حاصل کیا تو اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔ ماقبل قرآن کریم کی آیات گزر چکی ہیں جو خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیتی ہیں اور انسان پر یہ واجب کرتی ہیں کہ یہ تمام عبادتیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے کرے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک کا بیان

دم اور جھاڑ پھونک (جو کسی مریض پر پڑھ کر پھونکا جاتا ہے) کا حکم جھاڑ پھونک کی نوع کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس کے جواز اور عدم جواکو آگے چل کر بیان کریں گے۔

تعویذ گنڈے وہ ہیں جو بچوں کے گلے میں لٹکائے جاتے ہیں یا بدنظری کے خوف کی وجہ سے ان کو استعمال کیا جاتا ہے یا کسی اور سبب سے استعمال میں لایا جاتا ہے۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک منع ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

ان الرقی والتمائم والتوله شرک . (ابو داؤد: کتاب الطب ج ٤/٢١٣)

''دم جھاڑ اور گنڈے اور کوڈیاں منکے لٹکانا منع ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گلے میں ایک دھاگہ دیکھا تو انہوں نے اس دھاگہ کے بارے میں اپنی بیوی سے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آنکھ میں بیماری کی وجہ سے اس دھاگہ میں دم کروا کر باندھا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس دھاگے کو کاٹ دیا اور ان سے فرمایا کہ عبداللہ کی آل شرک سے مستغنیٰ ہے۔اور آپکو صرف اتنا کہنا کافی ہے۔

اذهب الباس رب الناس واشف أنت الشافی لا شفاء الّا شفاؤک شفاء لا یغادر سقمًا. (ابوداؤد ج ۴/۱۳۲ و ابن ماجة کتاب الطب ۹۹)

''اے لوگوں کے پروردگار بیماری کو دور کر دے اور شفاء عطا فرما تو ہی شفاء عطا کرنے والا ہے ما سوائے تیری شفاء کے کوئی شفاء نہیں ہے جو کسی قسم کی بھی بیماری نہیں چھوڑتی''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک کے شرک ہونے پر دلالت کرتی ہے۔جھاڑ پھونک کی حرمت اور عدم حرمت میں کچھ تفصیل ہے۔جھاڑ پھونک کی دو قسمیں ہیں۔ایک حرام اور شرک ہے اور دوسری قسم جائز ہے۔

(۱): حرام تو وہ ہے جس میں شرکیہ الفاظ ہوں اور غیر اللہ سے مدد طلب کی جائے اور اس سے پناہ مانگی جائے۔

(۲): جائز وہ ہے جو شرک کے شوائب سے خالی ہو بلکہ قرآن وسنت کے الفاظ اس میں ہوں حدیث میں جو منع آیا ہے وہ پہلی قسم سے روکا گیا ہے کیونکہ بخاری ومسلم کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا رقیة الا من عین او حمة. (بخاری باب الطب ۷۱ ج ۱۰/۱۵۵ ومسلم کتاب الایمان ۱/۹۹۱)

''ما سوائے بدنظری یا بچھو کے ڈسنے سے جھاڑ پھونک نہیں ہے''۔اس حدیث میں دم کروانے کی اجازت ہے۔

بدنظری اسے کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی اچھی چیز کو دیکھتا ہے تو وہ ماشاء اللہ نہیں کہتا تو بسا اوقات اس کی نظر اس چیز کو لگ جاتی ہے۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

العین حق. (بخاری باب الطب ۱۷ ج ۱۰/۲۰۳ ومسلم ج ٤/۱۷۱۹)

''بدنظری حق ہے کہ یہ انسان کو لگ جاتی ہے''۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم س ءاس دم کے متعلق سوال کیا جو وہ کرتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

اعرضوا علیّ رقاکم لا باس بالرقی ما لم تکن شرکًا. (مسلم ٦٤ ج٤/۱۷۲۷ وترمذی باب الطب ج٤/٢١٤)

''تم مجھے اپنے دم درود دکھاؤ جب تک اس میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں تو دم ودرود کا کوئی حرج نہیں ہے''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دم کیا اور ان پر دم کیا بھی گیا اور انہوں نے اس دم کو برقرار رکھا۔کئی احادیث میں وارد ہے کہ چند شروط کے ساتھ دم کروانا جائز ہے۔

(۱): قرآن وحدیث یا اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء اور صفات یا سلف صالحین سے منقول شدہ دعاؤں کے ذریعہ ہو۔

(۲): دم عربی زبان میں ہو اگر دم کرنے والا عربی کو اچھی طرح نہیں جانتا اور عربی میں الفاظ ادا نہیں کرسکتا تو پھر شرط یہ ہے کہ مترجم دعاء کتاب وسنت کے مطابق ہو۔

(۳): آدمی یہ عقیدہ نہ رکھے کہ شفا کا اثر صرف اسی دم میں ہے کیونکہ شفا تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے یہ تو علاج کا ایک ذریعہ ہے۔

اب رہ گئے تعویذ گنڈے تو یہ کسی صورت میں بھی جائز نہیں ان کو باندھنا حرام ہے جب آدمی ان میں خیر کے طلب اور شر کے دور کرنے کا عقیدہ رکھ لے تو یہ شرک اکبر تک پہنچا دیتے ہیں۔ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من تعلق شيئًا وكل اليه. (ترمذی فی کتاب الطب ٢٤ ج٤/٤٠٣ - احمد ج ٤/٣١٠)

''جس نے کوئی چیز لٹکائی اس کو اسی کے سپرد کردیا جائے گا یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف چھوڑ دے گا''۔

من تعلق تميمة فلا اتم الله له. (مسند احمد ج ٤/٦٥٤)

''جس نے تعویذ لٹکایا تو اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے''۔

ایک اور روایت میں آتا ہے:

من تعلق تميمة فقد أشرك . (مسند احمد ج٤/١٥٦ والحاكم ج٤/٢١٩)

''جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا''۔

ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے ہاتھ میں پیتل کا ایک حلقہ (کڑا) تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو اس نے عرض کی کہ میرے جوڑوں میں بیماری ہے جس کی وجہ سے میں نے اس کو پہنا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ:

انزعها فانها لا تزيدك الا وهنًا وانك لو مت وهي عليك ما افلحت ابدًا. (مسند احمد ج٤/٤٤٥ ابن ماجة فی الطب ج٢/١١٦٧)

''اس کو اتار دو یہ آپ کی بیماری کو اور زیادہ کردے گا اور اگر تم اسی حالت میں مرگئے کہ یہ آپ کے ہاتھ میں تھا تو تم کبھی بھی فلاح نہیں پاؤ گے''۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے بخار کی وجہ سے دھاگہ باندھا ہوا ہے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس دھاگے کو توڑ دیا اور یہ آیت پڑھی.

وما يؤمن اكثرهم بالله الا وهم مشركون. (یوسف:١٠٦)

''اور ان کی اکثریت اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لائی اور وہ مشرک ہیں''۔

تمام قسم کے تعویذات لٹکانے کی حرمت پر ادلہ واضح اور روشن ہیں چاہے ان میں قرآن حکیم کی آیات ہی کیوں نہ لکھی ہوئی ہوں۔جس نے یہ کہا کہ جس میں قرآن کریم کی آیات لکھی ہوں تو جائز ہے تو اس کی بات کا کچھ اعتبار نہیں اس کے قول کو دلیل نہیں بنایا جائے گا اس لئے کہ اس کی بات پر قرآن وحدیث کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔اور وہ پردے (چادریں) جس پر قرآن کریم لکھا ہوا ہوتا ہے، پر ان چادروں کو مریض پر ڈالا جاتا ہے حرام ہے۔ان کے درمیان اور تعویذات کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔تعویذات کا حرام ہونا چند وجوہات کی بناء پر ہے۔

(۱): تعویذات کی حرمت میں نہی اور ممانعت کا عموم ہے اس عموم کو خاص کرنے والی کوئی چیز (دلیل) نہیں آئی۔اور یہ ایک اصولی قاعدہ ہے کہ عام اپنے عموم پر باقی رہتا ہے جب تک اس عام کو خاص کرنے والی کوئی دلیل نہ آئے۔

(۲): قرآن کریم میں سے لکھے ہوئے تعویذات لٹکانا قرآن کریم کو حقیر اور کمتر سمجھنے کے مترادف ہے اور اس کے ساتھ لہو ولعب ہے اس لئے کہ کبھی کبھار انسان نجاستوں کی جگہ آتا ہے یا ان جگہوں میں جاتا ہے جن جگہوں سے قرآن کریم کو ادبًا اور احترامًا منزہ کیا جاتا ہے۔

(۳): اسباب کو روکنے کے لئے اس لئے کہ قرآن کریم سے لکھے ہوئے تعویذات کی اجازت دی جائے تو یہ غیر قرآن کریم سے تعویذات لکھنے اور لٹکانے کا ذریعہ بن جائے گا اور ایسا ہوا بھی۔

(۴): اس طرح کا عمل سلف صالحین میں سے کسی ایک سے بھی ثابت نہیں ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے اس طرح کی جو نسبت کی گئی ہے صحیح نہیں ہے۔

اگر یہ تعویذ گنڈے مشروع اور جائز ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بیان کر دیتے اور عمل کی دلیل صحیح طور پر ہم تک پہنچ جاتی اس لئے کہ بیان ضرورت کے وقت پیچھے نہیں رہتا۔ ہمارے اس زمانہ میں کچھ جادوگر اور ہاتھ کی صفائی دکھانے والے پائے جاتے ہیں جو لوگوں کے لئے ان اوراق میں جن کے ذریعے شفاء حاصل کرتے ہیں تعویذات لکھتے ہیں اور ان لوگوں کے گلے میں باندھتے ہیں اور جھوٹ بول کر لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور ان کے دین اور عقیدہ کو فاسد کرتے ہیں۔

کئی مولوی بھی اس مہلک مرض میں مبتلا ہیں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان لٹیروں اور دینکے ڈاکوؤں سے بچ جائیں اور ان کے پاس جا کر علاج کروانے سے پرہیز کریں اس لئے یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب سے کھیلتے ہیں اور اپنے شعبدہ بازی اور ہاتھ کی صفائی سے کمزور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

وسیلـــــہ

التوسل ۔لغۃ التـــقرب: وسیلہ کا لغوی معنی ہے قرب حاصل کرنا اور شرعًا جس چیز کے ذریعے مطلوب کا قرب حاصل کیا جائے وسیلہ واسطہ اور سبب ہوتا ہے جو مراد تک پہنچا دے امام ابن اثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الـواسل الراغب والوسیلة القربة والواسطة وما یتوصل به الی شیءٍ ویتقرب به۔ (النهایة لابن الاثیر ج ۱۸۵/۵) ''کہ وسیلہ قرب اور واسطہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے کسی چیز تک پہنچا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ قرب حاصل کیا جاتا ہے''۔

القاموس المحیط میں ہے:

وسل اِلی الله توسیلاً عمل عملاً تقرب به الیه۔ (القاموس المحیط ج ٤/٦١٢ ، ماده وسل)

''ایسا کام کرنا جس کے ذریعہ مقصود کا قرب حاصل کیا جائے''۔

قرآن کریم میں وسیلہ کا معنی (جو ہم نے وسیلہ کا لغوی معنی کیا ہے) یہی معنی ہے جس کی سلف صالحین نے قرآن کریم میں وارد ہونے والے وسیلہ کی تفسیر کی ہے اور یہ اعمال صالحہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے معنی سے نہیں نکلے گا۔ قرآن کریم میں وسیلہ کا ذکر دو آیتوں میں آیا ہے۔

یا ایها الذ ین آمنوا اتقوا الله وابتغوا الیه الوسیلة وجاهد وا فی سبیلهٖ لعلکم تفلحون. (المائدة:۳۵)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کی طرف نزدیکی کی جستجو کرتے رہو اور اس کی راہ میں جہاد کیا کرو تا کہ تمہارا بھلا ہو''۔

اولـئک الـذیـن یـدعـون یبتغـون الیٰ ربهـم الوسیلة ایهم اقرب ویرجون رحمته و یخافون عذابه ان عذ اب ربک کان محذورا. (الاســراء:۵۷) ''جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے نزدیکی کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ نزدیک ہو جائے وہ خود اس کی رحمت کی امیدواری میں لگے رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوفزدہ ہیں بات بھی یہی ہے کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے''

امام المفسرین حافظ ابن جریر رحمہ اللہ پہلی آیت کی تفسیر (اتـقـوا الله) میں فرماتے ہیں: اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو تم کو حکم دیا ہے اور جس سے منع کیا ہے

اس کی اطاعت اورفرمانبرداری کے ذریعے اس کوقبول کرلو۔اور(وابتغوا الیہ الوسیلۃ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ کوخوش کرنے والے اعمال سے اس کا قرب حاصل کرو۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وسیلہ کا معنی قرب نقل کیا ہے اور اسی طرح انہوں نے قتادہ۔مجاہد،عبداللہ بن کثیر،سدی،ابن زید رحمہم اللہ اورکئی دوسرے مفسرین سے یہی معنی نقل کیا ہے اورانہوں نے فرمایا ہے کہ اس معنی میں ائمہ مفسرین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔وسیلہ وہ ہے جس کے ذریعہ مقصد اور مراد کو پہنچا جائے۔دوسری آیت کے شان نزول کی مناسبت (جو وسیلہ کے معنی کو واضح کرتی ہے) کو جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے جن تو مسلمان ہوگئے تھے اوران لوگوں نے جنوں کے پہلے والے دین کو پکڑ لیا۔(بخاری کتاب التفسیر ج۸/ ۳۹۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ ہمیشہ جنوں کی عبادت کرتے رہے اور جن اس پر خوش نہیں تھے اس لئے وہ تو مسلمان ہو چکے تھے اور جن اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے تھے۔ (فتح الباری ج۸/ ۳۹۷)

اس آیت کی تفسیر میں یہی قول معتبر ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نقل کر کے اس صراحت کی ہے۔قرآن کریم کی آیت وسیلہ کو تقرب الی اللہ کے معنی میں لینے پر صریح ہے اسی لئے تو (یبتغون) فرمایا یعنی جو لوگ اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ان دونوں آیتوں میں وسیلہ کے معنی میں یہی تفسیر ہم نے سلف صالحین سے نقل کی ہے اس پر لغت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔جن لوگوں نے ان دونوں آیتوں سے انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمہم اللہ کی ذات سے وسیلہ کے جواز پر استدلال کیا ہے تو ان کا یہ استدلال باطل ہے اور قرآن کریم کے اندر تحریف ہے اور لفظ کو اپنے ظاہری معنی سے پھیرنا ہے اور نص کو وہاں پر محمول کرنا جس کا احتمال نہیں ہے۔سلف صالحین اور آئمہ مفسرین رحمہم اللہ جن کے اقوال کو معتبر سمجھا جاتا ہے میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے جب کہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ وسیلہ وہ نیک عمل ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے اس نیک عمل کا شریعت کی رو سے معلوم ہونا ضروری ہے۔کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان اعمال کا اختیار ہمیں نہیں دیا اور نہ ہی ان کی حد بندی کرنا ہماری عقلوں کے سپرد کی ہے کیونکہ عقلیں مختلف اور جدا جدا ہوتی ہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان اعمال میں اپنی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے اور ہمیں چاہیے کہ ہم اس معاملہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد اور اس کی تعلیم کی پیروی کریں اس لئے کہ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی نہیں جانتا کہ اس کو کون سا عمل خوش کرتا ہے لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والے وسائل کو پہچان لیں اور ہم اس مسئلہ میں قرآن وسنت کی طرف رجوع کریں۔ہم نے پہلے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ عمل اس وقت تک قبول نہیں ہوتا جب تک خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور سنت کے مطابق نہ ہو۔

کتاب وسنت کی طرف رجوع کر کے ہم مشروع وسیلہ کو تین قسموں میں پاتے ہیں:

(۱)؛ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء اور صفات کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرنا۔

(۲): نیک اعمال کے ذریعہ اس کی طرف وسیلہ تلاش کرنا۔

(۳): نیک اور زندہ آدمی کی دعاء سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرنا۔

شرعی وسیلۃ

اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے ذریعہ اس کی طرف وسیلہ تلاش کرنا

وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی دعاء میں یوں کہے۔

اللھم انی اسئلك بانك انت اللّٰہ الرحمن الرحیم العزیز الحکیم ان تعافنی۔ یا یوں کہے:

اللھم انی اسئلك برحمتك التی وسعت کل شیءٍ ام ترحمنی۔

یا اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے دعاء اس کے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کے ذریعہ مانگ لے۔وسیلہ کی اس قسم پر قرآن وحدیث کی نصوص دلالت کرتی ہیں ۔چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

و لله الاسماء الحسنیٰ فادعوا بها وذروا الذ ین یلحد و ن فی اسمائہٖ. (الاعراف:۱۸)

''اور اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں تم ان میں سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللهم بعلمك الغيب وقدرتك علیٰ الخلق احيينى ما علمت الحياة خيرًا لی وتوفنی اذا علمت الوفاة خيرًا لی.

(بخاری ج۱۰/۱۲۷ و مسلم ج ٤/٢٠٦٤)

''اے اللہ میں تیرے علم غیب اور تیری مخلوق پر قدرت کے واسطہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک تکہ تیرے علم کے مطابق میرے لئے زندگی بہتر ہو اور مجھے اس وقت موت دے جب تیرے علم کے مطابق موت میرے لئے بہتر ہو''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء استخارہ میں فرمایا:

اللهم انّی استخيرك بعلمك و استقدرك بقدرتك وأسئلك من فضلك العظيم. (بخاری باب التهجد ج۲۸/۳ والدعوات ج ۱۸۳/۱۱)

''اے اللہ! بےشک میں آپ سے آپ کے علم کے واسطے سے خیر طلب کرتا ہوں اور آپ کی قدرت کے واسطہ سے ہمت طلب کرتا ہوں اور آپ سے آپ کے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں''۔

يا حیّ يا قيوم برحمتك اَستغيث. (ترمذی ج ۱۰/۲٦۷ والحاكم ج۱/۵۰۹ وهوحديث حسن)

''اے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے! آپ کی رحمت کے واسطے سے میں فریاد کرتا ہوں''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پریشانی کی دعاء میں فرمایا:

اسئلك اللهم بكل اسم هو لك سميت بهٖ نفسك او انزلته فی كتابك او علمته احدا من خلقك اواستاثرت بهٖ فی علم الغيب عندك. (مسند احمد ج ۱/۳۹۱)

''اے اللہ میں تجھ سے تیرے ہر اس نام (کے واسطہ) سے سوال کرتا ہوں جو تو نے خود رکھا یا اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا تو نے خود اپنے ہاں مخفی رکھا ہے''۔

اس طرح کی اور بھی دعائیں کثرت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔

نیک اعمال سے اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرنا

جب نیک اعمال میں ان شروط کا لحاظ رکھا جائے گا: دعا مانگنے والا یوں کہے: **اللهم بايماني بك و محبتي لك واتباعي لرسولك اِغفرلي۔**
یا اسی طرح اور دعا مانگے ان دعاؤں کا جو مشروع ہیں اس پر قرآن کریم بھی وضاحت اور دلالت کرتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

ربنا اننا آمنا فاغفرلنا ذنوبنا وقنا عذاب النار. (آل عمران:١٦)

''اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے سو بخش دے ہم کو ہمارے گناہ اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا''۔

ربنا آمنا بما أنزلت واتبعنا الرسول فاكتبنا مع الشاهدين. (آل عمران:٥٣)

''اے ہمارے رب! ہم نے یقین کیا ہے اس چیز کا جو تو نے اتاری اور ہم نے رسول کی پیروی کی سو تو لکھ لے ہم کو ماننے والوں میں''۔

ربنا اننا سمعنا منادیا يّنادى للايمان ان آمنوا بربكم فامنّا ربّنا فاغفرلنا ذنوبنا و كفّر عنّا سيّئا تنا وتوفنا مع الابرار. (آل عمران:١٩٣)

''اے ہمارے رب! بالیقین ہم نے سنا ایک پکارنے والا پکارتا ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر سو ہم ایمان لائے اے ہمارے رب اب ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں دور کر دے اور نیک لوگوں کے ساتھ ہم کو موت دے''۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے سنا وہ ان الفاظ سے دعا مانگ رہا ہے:

اللهم انّى اسئلك بانّى أشهد انك انت الله الّذى لا اله الا انت الاحد الصمد الذى لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد.

(ترمذی كتاب الدعوات ج ٥/٥١٥ وابن ماجة كتاب لادعاء ج ١٢٦٧/٢)

''اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں اس واسطہ سے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے مگر تو اکیلا ہے تو بے نیاز ہے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے''۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسم اعظم کے ذریعہ دعا مانگی جس نے اس اسم اعظم کے ذریعہ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری کرے گا جب اس اسم اعظم کے ذریعہ سے پکارا جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی پکار کو قبول کرتا ہے۔

وسیلہ کی اس قسم پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں تین آدمیوں کے واقعہ کا ذکر ہے کہ وہ بارش کی وجہ سے ایک غار میں چلے گئے اور اوپر سے ایک چٹان گری جس نے غار کا منہ بند کر دیا تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے نیک عمل کے وسیلہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرے تاکہ ہم کو اس (مصیبت) سے نجات مل جائے تو ایک نے اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے وسیلے سے دعا کی اور دوسرے نے اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گناہ چھوڑنے کے وسیلہ سے دعا کی۔ جس وقت وہ اپنے چچا کی بیٹی کے ساتھ زنا کرنے پر قادر تھا تو اس (لڑکی) نے اسے اللہ تعالیٰ کا خوف یاد دلایا تو وہ (اللہ تعالیٰ کے خوف سے) ہٹ گیا اور تیسرے نے اپنی امانت اور صداقت کے وسیلہ سے دعا کی جب اس نے ایک ایسے آدمی کی مزدوری بڑھائی جس نے اپنی مزدوری کو کم سمجھ کر چھوڑ دیا تھا حتی کہ وہ کافی سارا مال بن گئی اور یہ آدمی ایک زمانہ بعد اس کے پاس آیا (اور اپنی مزدوری کا مطالبہ کیا تو اس آدمی نے اس مال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ تمام مال آپ کا ہے اسے لے جاؤ) اس نے اپنا تمام مال اس سے لے لیا۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنے نیک عمل کے وسیلہ سے دعا کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اس اس مصیبت سے نجات عطا فرمائی۔

یہ قصہ مشہور و معروف ہے اس لئے اس کو مفصل ذکر نہیں کیا۔ عقل سلیم رکھنے والوں کے لئے اشارہ ہی کافی ہے۔

یہ واقعہ نیک عمل (جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہو) وسیلہ کی مشروعیت پر دلالت کرتا ہے۔

نیک اور زندہ آدمی کی دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرنا

مثلاً کوئی مسلمان کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہو جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حق میں اپنی کوتاہی کو بھی جانتا ہو اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف قوی سبب پکڑنے کو پسند کرتا ہے تو وہ کسی نیک، متقی، پرہیزگار، قرآن وسنت کی اتباع کرنے والے کے پاس آتا ہے اور اس سے اپنے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرواتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی کو دور کردے تو ایسا کرنا جائز ہے اس کے جواز پر حدیث اور صحابہ کرام کا عمل بھی دلالت کرتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی مسجد نبوی میں داخل ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو اس اعرابی نے عرض کی اے اللہ کے رسول مال ہلاک ہو گئے اور راستے منقطع ہو گئے آپ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہم پر بارش برسائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے اور دعا مانگنے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو) میں نے آپ کی بغل کی سفیدی دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی:

اللھم اغثنا، اللھم اغثنا ، اللھم اغثنا ۔اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما، اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما، اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما۔ اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم ہم نے آسمان پر کسی قسم کا کوئی بادل نہیں دیکھا ہمارے درمیان اور سلع نامی پہاڑ کے درمیان کوئی گھر نہیں تھا تو سلع پہاڑ کے پیچھے سے ایک ڈھال کی طرح چھوٹا سا بادل نمودار ہوا جب وہ آسمان کے بیچ میں آیا تو (ہر طرف) پھیل گیا اور برسنے لگا پس اس ذات کی وسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک کو ابھی رکھا نہیں تھا کہ پہاڑوں کی طرح بادل پھیل گئے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ممبر سے اترے نہیں تھے میں نے آپ کی داڑھی مبارک پر بارش کے قطرے ٹپکتے ہوئے دیکھے پھر ہم نے نماز پڑھی اور مسجد سے نکلے اور پانی میں چلنے لگے حتی کہ ہم اپنے اپنے گھروں کو پہنچ گئے اور بارش دوسرے جمعہ تک مسلسل برستی رہی پھر وہی اعرابی یا کوئی دوسرا آیا اس نے عرض کی اے اللہ کے رسول آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کے بارش کو ہم سے روک لے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے اور فرمایا: **اللھم حوالینا ولا علینا:** اے اللہ بارش کو ہمارے اردگرد برسا لیکن ہم پر نہ برسا (آپ کی اس دعا کے بعد) بادل چھٹ گئے اور مدینہ منورہ کے اردگرد برسنے لگے اور بارش کو کائی بھی قطرہ (اس کے بعد) مدینہ منورہ میں نہیں گرا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

صحابہ کرامؓ کے عمل سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نیک آدمی کی دعا سے وسیلہ پکڑنا جائز ہے اس واقعہ کو حضرت انس نے روایت کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جس وقت لوگوں پر بارش بند ہو جاتی تو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی دعا کے وسیلہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ سے بارش طلب کرتے اور کہتے اے اللہ ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے آپ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے تھے تو ہم پر بارش برسا تھا اور اب ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی دعا سے آپ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں پس ہم پر بارش برسا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا کرتے تو) لوگوں پر بارش برستی۔ (بخاری ج ۲/۴۹۴ وفضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۱ ج ۷/ ۷۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ہوتے تو ہم آپؐ کے پاس آکر ان سے دعا کرواتے تھے اور ہم ان کی دعا کے ذریعہ آپ کا قرب حاصل کرتے تھے اور اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق اعلیٰ کی طرف منتقل ہو گئے ہیں اور ان کا اب وہاں سے آکر ہمارے لئے دعا کرنا ممکن نہیں ہے پس ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ہم ان سے اپنے لئے دعا کرواتے ہیں۔

یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنی دعا میں **اللھم بجاہ نبیك اسقنا** (کہ اے اللہ اپنے نبی کے مرتبہ اور اعزاز سے ہم پر بارش برسا) کہتے تھے اور آپ کی وفات کے بعد **اللھم بجاہ العباس اسقنا** کہتے تھے۔ اس لئے یہ دعا بدعت ہے اس کی کتاب وسنت میں کوئی اصل نہیں ہے اور نہ ہی صحابہ کرام میں

سے کسی نے اسی طرح کیا ہے۔

حضرت عمر کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت یزید بن اسود رحمہ اللہ کی دعا کے وسیلہ سے بارش طلب کی تھی۔ (رواہ حافظ ابن عساکر فی تاریخہ ۱۸/۱۵۱/۲ بسند صحیح۔ وحافظ ابن حجر فی الاصابۃ ج ۳/۶۳۴)

حضرت یزید بن اسود رحمہ اللہ افاضل تابعین میں سے تھے اگر کسی کی ذات یا جاہ وجلال کا وسیلہ مشروع ہوتا تو حضرت عمر اور حجرت معاویہ رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے عدول کر کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت یزید بن اسود رحمہ اللہ کا واسطہ تلاش نہ کرتے۔

بدعت وسیلہ

وسیلہ کے بارے میں شبہات اوران کا رد

بدعت وسیلہ:

ماقبل ہم نے مشروع وسیلہ اوراس کی اقسام اور دلیلیں پہچان لی ہیں اور یہیں سے جانتے ہیں کہ اس کے علاوہ جو وسیلہ ہے جیسے بحق فلاں یا جاہ فلاں بدعت ہے اس وسیلہ پر کتاب وسنت کی کوئی نص دلالت نہیں کرتی اور نہ ہی اس قسم کا وسیلہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کرام رحمہم اللہ کی طرف سے منقول ہے لہٰذا اس بدعت وسیلہ کے باطل ہونے پر یہی کافی ہے اس وجہ سے اکثر ائمہ محققین نے اس کا انکار کیا ہے جس کسی بدعتی مولوی نے اس کی اجازت دی تو اس کے قول کا ادنیٰ سا بھی اعتبار نہیں کیونکہ اس کا قول قرآن وحدیث کی صریح نصوص سے ٹکراتا ہے اور قرآن وحدیث دین میں بدعتیں ایجاد کرنے سے منع کرتے ہیں۔

ذات وجاہ اور مرتبہ کے وسیلہ کے جواز کے قائلین جن دلیلوں سے استدلال کرتے ہیں تو یہ ادلہ دو حال سے خالی نہیں ہیں:

(۱): یا تو یہ دلیلیں صحیح ہونگی تو انہوں نے ان میں تحریف کی ہوگی اور ظاہری معنوں کو انہوں نے سمجھا نہیں ہوگا اور لفظ کو اپنے ظاہری معنی سے پھیر دیا ہوگا۔

(۲): یا یہ دلیلیں بالکل باطل اور موضوع ہونگی جن پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ ہم انشاء اللہ ان دونوں امروں پر مختصر سی روشنی ڈالیں گے۔

امر اوّل: وہ نصوص ہیں جن کو انہوں نے وہاں محمول کیا ہے جہاں ان کو محمول نہیں کیا جاتا ذات کے ذریعہ وسیلہ کے قائل دو حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں اور اپنا یہ خیال فاسد کرتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں ان کے باطل مذہب کی تائید کرتی ہیں۔

حدیث اوّل: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب لوگوں سے بارش رک جاتی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ سے بارش طلب کرتے اور کہتے اے اللہ بے شک ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آپ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے تھے تو ہم پر بارش برساتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے ذریعہ آپ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں پس ہم پر بارش برسا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں پر بارش برسائی جاتی۔ اس حدیث سے جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات اوران کی جاہ (جو ان کا اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتبہ تھا) سے وسیلہ تلاش کیا نہ کہ ان کی دعا سے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وسیلہ صرف یہی تھا کہ انہوں نے دعا کروائی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی دعا میں کہا کہ اے اللہ میری وجہ سے ان پر بارش برسا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو اسی پر برقرار رکھا۔ یہ لوگ اپنے اس دعویٰ کو فاسد خیال سے ثابت کرتے ہیں۔ ان کا یہ استدلال پانچ وجہوں سے باطل اور مردود ہے۔

(۱): اگر کسی کی ذات اور جاہ سے وسیلہ جائز ہوتا تو حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو تمام مخلوقات سے افضل اور اعلیٰ ہیں) کی ذات سے وسیلہ کو چھوڑ

کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ (جو فضیلت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی گناہ کم ہیں) کی ذات سے وسیلہ تلاش نہ کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا وسیلہ ان کی زندگی میں تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگتے تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول کرتا تھا جیسا کہ اعرابی کے واقعہ میں ماقبل گزر چکا ہے۔

(۲): انسان طبعًا جس وقت اس کو سخت حاجت پیش آتی ہے کسی بڑے وسیلہ (جو اس کو مقصود تک پہنچا دے) کو تلاش کرتا ہے۔ اگر ذات کا وسیلہ جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ ان کی موت کے بعد کیسے چھوڑتے؟ حالانکہ خشک سالی اور قحط کی حالت میں تھے یہاں تک کہ اس سال کا نام قحط اور خشک سالی کا سال رکھا گیا۔

(۳): حدیث کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کے وسیلہ سے کئی مرتبہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے بارش طلب کی کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بھی لوگوں سے بارش رک جاتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کے وسیلہ سے بارش طلب کرتے تھے۔

اگر یہ بات حاصل ہو جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ نے زیادہ فضیلت والی ذات کے ہوتے ہوئے کم فضیلت والے کی طرف رجوع کیا ہے (جیسا کہ مخالفین کا خیال ہے) تو یہ بات صرف ایک ہی دفعہ حاصل ہوتی دوسری دفعہ تو ایسا نہ ہوتا بلکہ دوسری یا تیسری دفعہ تو زیادہ فضیلت رکھنے والی ذات کا وسیلہ ڈھونڈتے۔

(۴): قرآن وسنت کی مخالفت کرنے والے ہمارے ساتھ اتنی بات میں تو متفق ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ کے اس قول (**كنا نتوسل اليك بنبيّنا**) اور اسی طرح (**كنا نتوسل اليك بعم نبيّنا**) میں مضاف مقدر ہے مخالفین **بجاه نبيّنا** اور **بجاه عم نبيّنا** مضاف مقدر نکالتے ہیں اور ہم **بدعاء نبيّنا** اور **بدعاء عمّ نبيّنا** مضاف مقدر نکالتے ہیں۔ مضاف مقدر کی تعیین میں مرجع سنت، اور واقعہ سیاق وماقبلہے۔ اب ہم غور وفکر اور تدبر کرتے ہیں کہ یہاں پر مضاف جاہ (ذات) ہے یا دعاء ہے۔

آپ ہمارے ساتھ آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے گھروں میں نہیں بیٹھے اور گھروں میں بیٹھ کر انہوں نے یوں کہا ہو کہ ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے ذریعہ آپ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عیدگاہ کی طرف تشریف لائے اور اپنے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہم کو لائے اور ان سے اپنے لئے دعا کروائی اب اس سے واضح اور روشن ہو گیا کہ یہاں مقام (دعا کا مقام ہے) اگر مقام ذات اور جاہ جے وسیلہ کا مقام ہوتا تو صحابہ کرام کے یہ زیادہ لائق ہوتا کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور جاہ سے وسیلہ پکڑتے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور جاہ اپنے رفیق اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے سے متغیر نہیں ہوئی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں ہو چکے ہیں جو اس حالت سے مختلف ہے جس پر وہ اپنے رفیق اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے سے پہلے تھے۔ اس لئے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں موجود ہوتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تشریف لاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرواتے تھے۔

اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد برزخی زندگی میں ہیں جس کی کیفیت ماسوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور برزخی دنیا کی زندگی اور احوال سے بالکل مختلف ہے۔

(۵): اسی طرح کا عمل بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے بھی ثابت شدہ ہے جیسا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم نے حضرت یزید بن اسود رحمہ اللہ کی دعا کے وسیلہ سے بارش طلب کی۔ اور اسی طرح کا عمل حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے بھی یزید بن اسود رحمہ اللہ کے ساتھ کیا تھا۔

یہ سب ادلہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ آپ کی وفات کے بعد تلاش نہیں کیا بلکہ وہ تو نیک، صالح، زندہ اور دعاء پر قادر شخص کو تلاش کرتے تھے اور اس سے اپنے لئے دعاء کرواتے تھے۔ اگر ذات اور جاہ کا وسیلہ مشروع اور جائز ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم اس کی طرف سب سے آگے بڑھتے اس لئے کہ وہ تو ہر چھوٹی و بڑی نیکی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے میں حریص ہوتے تھے۔اگر یہ بات وارد اور طے شدہ ہوتی تو وہ اس کو ہماری طرف منتقل کر دیتے۔

حدیث ثانی: جس کو امام احمد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ ایک نابینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے اللہ کے رسول آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے عافیت عطا فرمائے۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں اور اگر آپ چاہیں تو تم صبر کرو اور یہ صبر کرنا آپ کے لئے بہتر ہے تو اس نابینا نے عرض کی کہ آپ میرے لئے دعاء فرما دیں تو آپ نے اسے حکم دیا کہ تم اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو اور یہ دعا مانگو:

اللهم انی اسئلك واتوجه اليك بنبيّك محمد نبی الرحمة يا محمد انی توجهت بك الىٰ ربی فی حاجتی هذه فتقضی لی اللهم فشفعه فی وشفعنی فيه۔ (ترمذی٤/٢٨١–٢٨٢،مسند احمد ،ابن ماجه)

''اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور میں آپ کی طرف آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمت والے نبی (کی دعاء) کے واسطہ سے متوجہ ہوتا ہوں اے اللہ کے رسول میں آپ کی دعا کے واسطے سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں متوجہ ہوا ہوں پس میرے لئے میری حاجت کو پورا کیا جائے اے اللہ میرے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول فرما اور میری اس کے بارے میں سفارش قبول فرما۔حضرت عثمان بن حنیف فرماتے ہیں کہ اس نابینا نے اسی طرح کیا تو وہ تندرست ہو گیا۔

ذات اور جاہ کے ذریعہ کا وسیلہ کا جواز تلاش کرنے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ حدیث ان کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ صالحین کی ذات اور جاہ کے ذریعہ وسیلہ کے جواز پر دلیل ہے چنانچہ نابینا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ تلاش کیا تو اس کی آنکھیں صحیح اور تندرست ہو گئیں اور وہ دیکھنے کے قابل ہو گیا۔

درحقیقت ان کا یہ استدلال باطل ہے بلکہ یہ حدیث تو مشروع وسیلہ کی قسموں میں سے تیسری قسم ہے اور وہ نیک اور زندہ آدمی کی دعاء کا وسیلہ ہے۔اور عین ممکن ہے کہ ان کا یہ استدلال اسی حدیث کی رو سے ٹوٹ جائے اور بفضلہٖ تعالیٰ ٹوٹ رہا ہے توجہ کیجئے۔

(۱): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نابینا اپنے لئے دعاء کروانے کی غرض سے حاضر ہوا تھا اور یہ اس کے اس قول **ادع الله ان يعافينی** (یعنی میرے لئے اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعاء کریں) سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کیا تھا کیونکہ وہ نابینا جانتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ قبول ہوتی ہے بخلاف دوسرے آدمی کی دعاء کے۔اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور جاہ کا وسیلہ جائز ہوتا تو وہ نابینا اپنے گھر بیٹھ کر وسیلہ تلاش کرتا لیکن وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے دعاء کا مطالبہ کیا۔

(۲): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دعاء کا وعدہ کیا اور ساتھ ساتھ اس کو نصیحت بھی کی جو اس کیلئے بہتر اور افضل تھی اور وہ نصیحت یہ تھی: **ان شئت دعوت وان شئت صبرت فهو خير لك** اگر آپ چاہیں تو میں آپ کیلئے دعا کرتا ہوں اور اگر آپ چاہیں تو صبر کریں اور یہ آپ کیلئے بہتر ہے۔

(۳): نابینا نے دعاء پر اصرار کیا اور یہ اس اس قول **ادعه** (یعنی آپ دعا کر دیں) سے پتہ چلتا ہے یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا کی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ وعدہ وفا تھے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دعاء کو وعدہ کیا تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۴): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مے اس کی بہترین طریقہ کی طرف رہنمائی کی اور وہ نیک عمل اور دعا کو جمع کرنا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ وضو کرے اور نماز پڑھے پھر دعا مانگے۔

(۵): اس دعا میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سکھائی **اللھم فشفعه فی** کے الفاظ ہیں یعنی وہ یہ کہے کہ اللہ میرے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول فرما: اب اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور جاہ کے وسیلہ پر محمول کرنا محال ہے اس لئے کہ دعا کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ آپ کا میری آنکھوں کو شفا دینے میں نبی کریم صلی علیہ وسلم کی دعا کو قبول فرما۔ اور شفاعت لغت میں دعا کو کہتے ہیں:

(۶): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نابینا کو سکھایا کہ وہ **وشفعنی فیه** کہے یعنی میری دعا کو اس نابینا کے بارے میں قبول فرما کہ اس کی آنکھیں تندرست ہو جائیں۔ اس جملہ کے علاوہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس سے کوئی دوسرا اور جملہ (معنی) سمجھا جائے۔ لہٰذا ہم مخالفین کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس جملہ (معنی) سے منہ موڑتے ہیں اور اس کو اپنی کتابوں میں نہیں لاتے اس لئے ان کو معلوم ہے کہ یہ جملہ ان کے فاسد قول کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے۔

(۷): اس حدیث کو علماء کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آپ کی مقبول دعاؤں میں شمار کیا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی دعا کی برکت سے مختلف بیماریوں سے نجات کو ظاہر کیا۔ اس نابینا کی آنکھوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے تندرست کیا۔ اسی لئے تو مصنفین نے اس حدیث کو دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ نے۔

یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نابینا کی شفا میں راز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہی ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر بالفرض محال راز اکیلے نابینا کی دعا میں ہوتا نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں تو پھر ہر ایک نابینا خالص اللہ تبارک وتعالیٰ سے گڑگڑا کر دعاء کرتا تو اسے شفا ہو جانی چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ پتہ نہیں کہ روزانہ کتنے نابینے اپنے لئے دعا کرتے ہونگے اور وہ سب اسی حالت میں ہونگے بلکہ ان میں سے کسی ایک کو شفاء ہونی چاہیے۔

نابینا کی حدیث سے مخالفین کے استدلال کے ٹوٹنے کے درمیان ہمارے لئے واضح اور روشن ہو گیا کہ حدیث کے شروع سے لے کے آخر تک دعا اور عمل صالح کا مقام (ذکر) ہے جس کے ذریعہ دعا کرنے والا کھڑا ہوتا ہے چہ جائیکہ وہ دعا نبوت کے معجزات میں سے ہو جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

وسیلہ کے باب میں ضعیف اور موضوع احادیث

دوسرا شبہ وہ ضعیف اور موضوع حدیثیں ہیں جن کے ذریعے مخالفین نے ذات کے وسیلہ کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ان احادیث کے رد ہونے میں ان کا ضعیف اور موضوع ہونا ہی کافی ہے۔ہم انشاءاللہ تعالیٰ ان کے ضعف کی علت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:

(۱): حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

اللھم انّی اسئلک بحق السائلین علیک . (مسند احمد ج ۲۱/۳ ، ابن ماجة فی المساجد ۱٤ ج ۲۵٦/۱ ، مجمع الزوائد ج ۱۱۷/۱۰).

''اے اللہ میں سائلین کے آپ پر حق کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں''۔

یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس حدیث کو عطیہ عوفی نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے اور عطیہ عوفی ضعیف راوی ہے۔جیسا کہ امام نوویؒ نے الاذکار میں اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے القاعدۃ الجلیلۃ میں۔اور علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں علامہ ذہبیؒ نے الضعفاء ج ا ص ۸۸ میں کہا ہے کہ عطیہ عوفی کے ضعیف ہونے پر علماء نے اجماع کیا ہے۔اور علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد کی کئی جگہوں میں اس کو ضعیف کہا ہے۔

(۲): وہ حدیث ہے کہ جس کی امام حاکمؒ نے حضرت عمر بن خطاب سے مرفوعاً تخریج کی ہے۔

لما اقترفت آدم الخطیئة قال یارب أسئلک بحق محمد لما غفرت لی فقال یا آدم و کیف عرفت محمداً ولم وأخلقه قال یارب لما خلقتنی بیدک ونفخت فی من روحک رفعت رأسی فرایت علی قوائم العرش مکتوبًا لااله الاالله محمد رسول الله فعلمت أنک لم تضف الی اسمک الا احب الخلق الیک فقال غفرت لک ولولا محمد ما خلقتک . (مستدرك حاکم : ٦١٥/٢)

جب حضرت آدم نے غلطی کا اعتراف کیا تو عرض کی اے میرے رب میں آپ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے بخش دیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم آپ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح پہچانا حالانکہ میں نے اس کو پیدا بھی نہیں کیا تو حضرت آدم نے عرض کی اے میرے رب جب آپ نے مجھے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور آپ نے مجھ میں اپنی روح پھونکی تو جب میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے آپ کے عرش کے پائیوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا تو میں نے جان لیا کہ آپ نے اپنے نام کی اسی کو منسوب کیا ہے جو تمام مخلوق میں آپ کو محبوب ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے آپ کو بخش دیا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا۔

یہ حدیث موضوع ہے جیسا امام ذہبیؒ نے کہا ہے چنانچہ انہوں نے امام حاکم کا تعاقب کیا ہے،امام ذہبی نے فرمایا ہے کہ: میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث موضوع ہے اس میں عبدالرحمٰن ضعیف راوی ہے اور عبداللہ بن اسلم فہری کو میں نہیں جانتا یہ کون ہے جیسا کہ اس حدیث میں عبداللہ بن مسلم بن رشید ہے حافظ ابن حجرؒ نے اس پر جرح کی ہے ابن حبان فرماتے ہیں اس پر حدیثوں کے گھڑنے کی تہمت لگی ہوئی ہے،لیثؒ اور مالک پر حدیثیں گھڑتا تھا۔ابن لھیعہ کے بارے میں ہے کہ اس کی حدیث کو لکھنا جائز نہیں ہے۔

(۳): **توسلوا بجاهی فان جاهی عند الله عظیم.** (القاعدة الجلیلة ص ۱۳۰م، والتوسل ص ۱۱٤)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میری ذات اور جاہ کا وسیلہ تلاش کیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں میری ذات اور جاہ بہت بڑی ہے''۔

یہ حدیث بھی موضوع ہے بلکہ اس کی اصل حدیث کی کسی بھی کتاب سے نہیں ملتی۔بلکہ یہ حدیث بدعتیوں اور قبر پرستوں کی بعض کتابوں میں پائی جاتی ہے۔اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور جاہ بہت بڑی ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام مخلوق سے افضل اور اعلیٰ ہیں جسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا سید ولد آدم ولا فخر. (المناقب ج ۵۸۷/۵ سنن الترمذی وابن ماجة فی الزهد ۳۷ ج ۱٤٤۰/۲ او مسند احمد ج ۲۸۵/۱)۔

''میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں اس میں فخر کی کوئی بات نہیں ہے''۔

اس کے باوجود ہمارے لئے اس قسم کا وسیلہ جائز نہیں ہے۔ چونکہ اس حدیث کا بطلان واضح ہو چکا ہے یہاں پر دوسری اور بھی موضوع اور ضعیف روایات ہیں جن کو قبر پرست اپنے باطل اور جھوٹے مذہب کی تائید کیلئے لائے ہیں ہم ان میں طویل بحث کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کیونکہ یہ تمام احادیث نفس اسی معنی کے اردگرد گھومتی ہیں جس کو میں نے پہلی والی احادیث میں ذکر کیا ہے۔ اب ثابت اور واضح ہو چکا ہے کہ ذات اور جاہ کے وسیلہ کے بارے میں کوئی ایک بھی قابل اعتماد حدیث نہیں ہے۔

قبروں کی زیارت کا حکم

بے شک قبروں کی زیارت کرنا مشروع اور جائز ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح آج لوگ کرتے ہیں۔ قبروں پر مردوں کیلئے جانا جائز ہے مگر عورتوں کو اجازت نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كنت نهيتكم عن زيارة القبور الا فزروها فانها تذكرة الآخرة. (ترمذی فی الجنائز ج ٣/٣٦١)

''میں نے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا۔ تو سن لو۔ اب تم ان کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں''۔

یہ حدیث میں لفظ **فزروھا** (یعنی تم ان کی زیارت کرلیا کرو) عام ہے مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے صرف مردوں کے لئے خاص ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لعن الله زوارات القبور من النساء. (ترمذی فی الجنائز ج ٤/٦٢ وابن ماجة ج ١/٥٠٢ ومسند احمد ج ٢/٣٣٧-٣٥٦).

''اللہ تعالیٰ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کرے''۔

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ قبروں پر جانا صرف مردوں کیلئے مستحب ہے نہ کہ عورتوں کیلئے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جنازے کے پیچھے چلے سے منع فرمایا۔ بات کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتیں قبروں کی زیارت کی اجازت میں داخل نہیں ہیں اس کی دو وجہیں ہیں۔

(١): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **فزروھا** مذکر کے صیغہ کا استعمال کیا اور یہ عورتوں کو علی سبیل التغلیب شامل ہے اسی بناء پر عورتیں بطریق عموم ضعیف کے داخل ہونگی۔ جمہور علماء کرام کے ہاں خاص کی دلیلوں کے مخالف نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ ان دلیلوں کو نسخ کرتا ہے اگر عورتیں اس خطاب میں داخل ہوتیں تو ان کے لئے بھی قبروں کی زیارت مستحب ہوتی حالانکہ ہم کسی امام کو نہیں جانتے جس نے ان کے لئے قبروں کی زیارت کو مستحب سمجھا اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء الراشدین کے زمانہ میں عورتیں قبروں کی زیارت کیلئے نکلتی تھیں۔

(٢): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو اجازت دینے کی علت بیان فرمائی کہ قبروں کو دیکھ کر موت یاد آتی ہے۔ دل نرم ہوتا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ اسی طرح کی روایت مسند احمد میں بھی ہے یہ بات معلوم ہے کہ اگر عورت کو اجازت دی جائے تو اس میں صبر کم ہونے کی وجہ سے جزع، فزع اور رونا پیٹنا زیادہ کرتی ہے۔ ماقبل ذکر ہو چکا ہے کہ قبروں کی زیارت کرنے کا مقصد موت کو یاد کرنا، میت کو سلام کرنا اور اس کے لئے خاص دعا کرنا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم دی کہ ہم قبروں پر جا کر کیا پڑھیں۔

جب ہم قبروں پر جائیں تو یہ دعا پڑھیں:

السلام علیکم اهل الدیار من المسلمین والمومنین یرحم الله المستقدمین منّا والمستاخرین وانّا ان شاء الله بکم لاحقون. (مسلم ج ٢/٦٦٩-٦٧١ ومسند احمد ج ٦/٢٢١).

''تم پر سلامتی ہوا ے اس گھر والو مومنو اور مسلمانو! اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں اور جو بعد میں آئیں گے اور بے شک ہم اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تم سے ملنے والے ہیں''۔

یا اس طرح کی اور دعا پڑھنی چاہئے جو قرآن وسنت میں وارد ہے۔لوگوں کی اکثریت حدیث کے بالکل خلاف کر رہی ہے یہ وہاں جاتے ہیں اور ان کیلئے دعا کرنے کی بجائے اپنے لئے دعا کرتے ہیں اور قبروں کو ہاتھ لگاتے ہیں چومتے ہیں اور چاٹتے ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہو کر برکت حاصل کرنے اور خیر طلب یا مصائب کے دور کرنے کی امیدیں وابستہ کرتے ہیں۔

یہ سب مشرکانہ حرکات اور بدعت افعال ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حرکات اور افعال پر تنقید کی ہے۔کیونکہ کبھی کبھار ایسا کرنے سے انسان شرک اکبر میں واقع ہو جاتا ہے خصوصاً جب قبر والے مردے سے یہ اعتقاد رکھ لے کہ یہ مردہ سنتا ہے اور دعا کو قبول کرتا ہے یا غیب جانتا ہے یا مصیبتوں کو دور کرتا ہے اب ان باتوں (کرتوتوں) پر تنبیہ کرنا واجب ہے اگرچہ قبروں کی زیارت کرنا مردوں کیلئے مستحب ہے لیکن زیارت کرنے کیلئے مستقل سفر کرنا جائز نہیں ہے مگر یہ کوئی مسلمان اپنے شہر کے مسلمانوں کے قبرستان پر جائے کیونکہ یہ سفر میں شمار نہیں ہوتا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تشد الرحال الا الیٰ ثلاثة مساجد المسجد الحرام و مسجدی هذا والمسجد الاقصٰی . (بخاری فی الصلوٰة ج٣/٦٣ ومسلم فی الحج ج ٢/٩٧٦).

''سفر زیارت تین مسجدوں کے علاوہ نہیں کیا جائے گا مسجد حرام اور میری یہ مسجد یعنی مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ''۔

اب بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ قبروں کی تعظیم کی جا رہی ہے اور ان کو اونچا کر کے اوپر قبے بنائے جا رہے ہیں اور ان کو سجدے کیے جا رہے ہیں باوجود اس کے کہ کئی احادیث نبویہ ان چیزوں کی نہی میں وارد ہوئی ہیں۔ہم انشاء اللہ تعالیٰ کچھ احادیث یہاں ذکر کریں گے۔

(١) بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی مرض وفات میں تھے تو وہ اپنی چادر مبارک کو اپنے چہرہ مبارک سے ہٹا رہے تھے پس جب آپ اس سے مغموم ہوتے تو اسے ہٹا دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت میں فرمایا:

لعنة الله علی الیهود والنصاری اتخذوا قبور انبیائهم مساجد . (بخاری فی الانبیاء ج٦/٤٩٤)

''یہود ونصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا''۔

(٢) امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی وفات سے پانچ دن پہلے یہ کہتے ہوئے سنا۔

ألا! ان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیائهم مساجد ، ألا! فلا تتخذوا القبور مساجد فانی انهاکم عن ذلک.

(مسلم فی المساجد ج ١/٣٧٧-٣٧٨)۔

''سن لو! تم سے پہلے والے لوگوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہیں نہ بنانا بایقین میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں''۔

(٣) امام احمد رحمہ اللہ نے حسن سند سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

ان من شرار الناس من تدرکهم الساعة وهم أحیاء والذین یتخذون القبور مساجد. (مسند احمد ج ١/٤٥٣)۔

''بالیقین بدتر وہ لوگ ہوں گے جن کو قیامت پائے گی اور وہ زندہ ہوں گے اور وہ قبروں کو سجدہ گاہیں بنا رہے ہوں گے''۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ جو آدمی قبروں کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے امر اور نہی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کے متعلق اور موجودہ زمانے کے لوگوں کی اکثریت کے متعلق غور وفکر کرے گا تو وہ ایک دوسرے کے مخالف اور جدا پائے گا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آج

کے لوگوں کے عمل دونوں ایک ساتھ کبھی بھی جمع نہیں ہوں گے وہ کیسے؟ آپ ذرا توجہ کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور یہ لوگ قبروں کے پاس کھڑے ہو کر اور ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو مسجدیں بنانے سے منع کیا ہے اور یہ لوگ قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں اور وہاں میلہ لگاتے ہیں اور قبروں کا طواف کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر چراغ جلانے سے منع کیا ہے اور آپ دیکھتے ہیں کہ کتنے لوگ ہیں جو جمعرات کو قبروں پر جا کر چراغاں کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر میلہ لگانے سے منع کیا ہے اور یہ لوگ بڑھ چڑھ کر بڑی بے باکی کے ساتھ میلہ لگاتے ہیں اور وہاں اس طرح جمع ہوتے ہیں جس طرح مسلمان عید الفطر اور عید الاضحیٰ کیلئے جمع ہوتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو زمین کے ساتھ برابر کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ابوالہیاج الاسدی کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا:

الا ابعثک علی ما بعثنی علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم الا تدع تمثالًا الا طمسته ولا قبراً مشرفاً الا سویته .

(مسلم فی الجنائز ۹۳ ج۲/٦٦٦ و بوداؤد فی الجنائز ج۳/٥٤٨ وترمذی ج۳/۳٥۷)

''کیا میں آپ کو اس کام پر نہ بھیجوں جس کام پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا؟ کہ آپ کسی تصویر کو نہ چھوڑیں مگر اسے مٹا دیں اور اونچی قبر دیکھیں تو اسے زمین کے برابر کر دیں''۔

مسلم شریف میں حضرت ثمامہ بن شفی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت فضالہ ابن عبید کے ساتھ ملک روم میں بردوس جگہ میں تھے تو ہمارا ایک ساتھی فوت ہو گیا (تو ہم نے جنازہ پڑھ کر اسے دفنا دیا) تو حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ نے اس کی قبر کو زمین کے ساتھ برابر کرنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا کہ:

سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یامر بتسویتها. (مسلم فی الجنائز ج۳/٦٦٦).

''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبر کو زمین کے ساتھ برابر کرنے کا حکم سنا''۔

موجودہ زمانے کے قبر پرست ان احادیث صحیحہ کی بڑھ چڑھ کر مخالفت کرتے رہے ہیں اور قبروں کو گھروں کی طرح خوب اونچا کرتے ہیں اور ان پر قبے بناتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر چونا لگانے اور اس پر عمارت بنانے سے منع کیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن تجصیص القبر وان یقعد علیه وان یبنی علیه ونهی عن الکتابة علیها.

(مسلم ج ۲/٦٦۷)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر چونا لگانے اور اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع کیا ہے اور اس پر کتبے لکھ کر لگانے سے بھی منع فرمایا ہے'' اسی طرح کی روایت امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے بھی ذکر کی ہے امام ابوداؤدؒ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن تجصیص القبور وان یکتب علیها. ''کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر چونا لگانے اور ان پر لکھنے سے منع فرمایا ہے''۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ (ترمذی فی الجنائز ج۳/۳٥۹) یہ لوگ قبروں پر کتبے لگاتے ہیں اور ان پر قرآن کریم کی آیات وغیرہا لکھتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر ماسوائے مٹی کے اور کسی قسم کی زیادتی کرنے سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ امام ابوداؤد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ان رسول الله علیه وسلم نهی ان یجصص القبر أو یکتب علیه أو یزداد علیه. (ابوداؤد ج۳/٥٥۳)

یہ لوگ قبروں پر خوب زیادتی کرتے ہیں پکی اینٹیں، چونا اور پتھر لگاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی

قبروں پر پکی اینٹیں لگانے کو مکروہ (تحریمی) سمجھتے تھے۔

نبوت اور رسالت

علماء کرام نے نبی اور رسول کے درمیان فرق میں چند اقوال ذکر کئے ہیں انہی اقوال میں غور وفکر کرنے سے سب سے اچھا اور اعلیٰ ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول پاتے ہیں جس کو انہوں نے اپنی کتاب النبوات میں ذکر کیا ہے۔

قال الشیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ: نبی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس سے پہلے والے نبی کی شریعت پر عمل کرنے کی خبر دے اور کفار کی طرف اس کو تبلیغ کے لیے نہ بھیجا ہو اور کبھی کبھار اس کی طرف خاص معین واقعہ میں خاص وحی آتی ہو۔ پس انبیاء علیہم السلام کے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے کہ وہ کیا کریں اور مومنین کو کس بات کا حکم دیں۔

رسول وہ ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ خبر دے پھر اس کو کفار کو تبلیغ کرنے کا حکم دے جیسے حضرت نوح علیہ السلام۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے اہل زمین کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اور ان سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام تھے جیسے حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہ السلام۔ (النبوات ص ۱۷۲-۱۷۳)

رسول اور نبی نفس امت میں سے بشر ہوتے ہیں ان پر بھی وحی احوال جاری ہوتے ہیں جو تمام بشر پر جاری ہوتے ہیں مثلاً موت وحیات۔ اور ان کو بھی کھانے، پینے، سونے، جاگنے، راحت وآرام، نکاح وشادی وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح دوسرے انسان ان چیزوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو وحی عطا کرنے اور تبلیغ کے ذریعے تمام انسانوں سے ممتاز کیا ہے۔

جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ أنما الھکم الہ واحد . (سورۃ الکھف: ۱۱۰)

''آپ کہہ دیں کہ میں تم جیسا ہی ایک انسان ہوں ہاں میری طرف وحی کی جاتی ہے تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے''۔

ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ کان یاکلان الطعام. (المائدۃ: ۷۵)

''مسیح ابن مریم سوائے پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں ہیں اس سے پہلے بھی کئی پیغمبر ہو چکے ہیں اور اس کی ماں ایک ولیہ عورت تھی دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے''۔

تمام امت میں رسولوں کی دعوت ایک ہی رہی ہے اور وہ خالص اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دینا ہے اور توحید کو شرک وبدعت اور معاصی سے خالص کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہٖ نوحًا والذی أوحینا الیک وما وصّینا بہٖ ابراھیم و موسٰی و عیسٰی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ. (الشوریٰ: ۱۳)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی شریعت مقرر کر دی ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے حضرت نوح کو حکم دیا تھا اور جو بذریعہ وحی ہم نے تیری طرف بھیج دی ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم کرنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔

ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولًا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت. (النحل: ۳۶)

''اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو''۔

لفظ طاغوت کی وضاحت:

طاغوت طغیان سے مشتق ہے اور وہ حد سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں اور آیت کریمہ میں اس کا معنی یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کے ذریعہ بندہ اپنی حد سے تجاوز کرے طاغوت کہلاتی ہے، چاہے آدمی اپنے ایک معبود سے تجاوز کرے یا وہ متبوع اور مطاع سے تجاوز کرے۔

حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں جو اہل ارض کی طرف مبعوث ہوئے ہیں جیسا کہ اس پر حدیث الشفاعہ دلالت کرتی ہے:

انت اول المرسلین الی الارض . (مسلم-ج ۱/۱۸٤)

''تم سب سے پہلے اہل ارض کی طرف رسول ہو''۔

اور ان کا آخری اور سب سے افضل رسول ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین . (الاحزاب:٤٠)

''اور لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور آخری نبی ہیں''۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مثلی ومثل الأنبیاء کمثل قصر احسن بناء ہ وترک منه موضع لبنة فطاف به النظار یتعجبون من حسن بنائه الا موضع تلک اللبنة لا یعیبون سواها فکنت انا سددت موضع تلک اللبنة ختم بی البنیان و ختم بی الرسل . (مسلم فی الفضائل ج ٤/۱۷۹۱ مسند احمد ۲/۲۵۷)

''میری اور پہلے انبیاء علیہم السلام کی مثال اس محل کی طرح ہے جس کی عمارت خوبصورت ہو اور اس سے ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہو دیکھنے والے اس سے تعجب کرتے ہوں ماسوائے اس اینٹ کی جگہ کے اس کے علاوہ کوئی عیب نہیں لگاتے پس میں نے اینٹ کی جگہ کو بند کر دیا ہے اور میری وجہ سے اس عمارت پر مہر لگ گئی ہے اور میری وجہ سے رسولوں پر مہر لگ گئی ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ کے رسول غیب جانتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کے رسول غیب نہیں جانتے مگر جس کا اللہ تعالیٰ نے انہیں علم دیا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

عالم الغیب فلا یظهر علیٰ غیبه احدًا الا من ارتضٰی من رسول فانه یسلک من بین یدیه ومن خلفه رصد ا لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربهم. (الجن: ۲٦-۲۷-۲۸)

''وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کرے لیکن اس کے آگے پیچھے پہریدار مقرر کر دیتا ہے تا کہ ان کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دینے کا علم ہو جائے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یؤمنون. (الاعراف:۱۸۸)

''آپ کہہ دیں کہ میں خود اپنی ذات کے لئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی مضرت مجھ پر واقع نہ ہوتی میں تو محض ڈرانے اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں''۔

قل لا املک لکم ضرا ولا رشدا. (الجن:۲٤)

''آپ کہہ دیں کہ میں تمہارے لئے کسی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں''۔

جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ غیب جانتے ہیں تو انہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شریک ٹھہرایا ہے اور ان کا یہ لچر دعویٰ قرآن وحدیث کی نصوص سے ٹکراتا ہے۔ اکثر لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں غلو کرنے میں مبالغہ کیا ہے یہاں تک کہ کئی ایسے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام دنیا کی مخلوق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی ہے اور اس پر موضوع، من گھڑت، جن کی حدیث کی کتابوں میں کوئی اصل نہیں ہے، دلیلیں پیش کرتے ہیں اور یہ بھی گمان فاسد کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ تھے۔ جس طرح وہ اپنے رفیق اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے سے پہلے زندہ تھے۔ اگر یہ بات اس طرح ہوتی تو ان کے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز کو چھوڑنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی گناہ کم مرتبہ والے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنے کی کوئی وہاں مقبول وجہ نہ ہوتی۔

جی ہاں انبیاء علیہما السلام کی حیات پر صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ شہداء کی حیات پر قرآن کریم نے صراحت کی ہے لیکن یہ برزخی حیات ہے جس کی کیفیت کو ماسوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور برزخی زندگی کو دنیاوی زندگی پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔ من جملہ احادیث میں سے جن کو امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہم اللہ نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

ان من افضل ایامکم یوم الجمعة فیه خلق آدم وفیه قبض وفیه النفخة و فیه الصعقة فاکثروا علیّ الصلوة فیه فان صلاتکم معروضة علیّ قالوا یا رسول و کیف تعرض صلاتنا علیک وقد أرمت قال ان الله حرم علی الارض أجساد الانبیاء. (ابـــــوداؤد ج ۲/ ۱۸٤ والنسائی فی الجمعة ج ۳/ ۷۵ وابن ماجة ج ۱/ ۳٤۵)

''بے شک جمعہ کا دن تمہارے دنوں میں افضل ہے اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن میں انہوں نے وفات پائی اور اسی دن میں صور پھونکا جائے گا اور اسی دن میں قیامت قائم ہوگی پس تم اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو اس لئے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول کیسے ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا؟ آپ تو مٹی ہو چکے ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے جسد کو زمین پر حرام کیا ہے''۔

یہ حدیث آپ کی اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی حیات پر دلالت کرتی ہے مگر یہ کہ آپ کی حیات آپ کی وفات سے پہلے والی حیات سے مختلف ہے اور یہ برزخی حیات ہے اور یہ ایک پوشیدہ راز ہے جس کی حقیقت کو ماسوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا لیکن یہ و اضح اور ثابت شدہ امر ہے کہ برزخی حیات دنیاوی حیات کے بالکل مختلف ہے اور برزخی حیات کو دنیاوی حیات کے قوانین کے تابع نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ دنیا میں انسان کھاتا ہے، پیتا ہے، سانس لیتا ہے، نکاح وشادی کرتا ہے، حرکت کرتا ہے اور اپنی دوسری ضروریات پوری کرتا ہے، بیمار ہوتا ہے اور گفتگو وغیرہ کرتا ہے۔ کسی کے بس کی بات نہیں کے مرنے کے بعد اس کو یہ تمام امور پیش آتے ہوں حتی کہ انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی ان میں سے کوئی ایک چیز ثابت نہیں ہوسکتی۔

یہ بات مسلم اور ثابت شدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی وفات کے بعد کئی مسائل میں مختلف تھے اور ان میں سے کسی ایک کے دل میں بھی یہ بات نہیں آتی تھی کہ وہ آپ کی قبر کے پاس آئے اور اس مسئلہ میں مشورہ لے اور اس مسئلہ میں جو بات درست اور صحیح ہو اس کے متعلق سوال کرے۔ یہ ایسا کیوں نہ ہو!؟!!

بالیقین یہ معاملہ بہت واضح اور روشن ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ یہ جانتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی حیات سے منقطع ہو چکے ہیں اور وہ زندگی واپس نہیں لوٹی، جس پر دنیاوی احوال اور اس کے قوانین شریعت منطبق ہوں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد برزخی زندگی میں زیادہ کامل طور پر زندہ ہیں بہ نسبت عام انسانوں کے جو برزخ میں زندہ ہوتے ہیں۔ لیکن خاصی زندگی ہے جو دنیاوی زندگی کے مشابہ نہیں ہوسکتی۔

اکثر مسلمانوں کی حالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو کرنے کی وجہ سے خطرناک مرحلہ تک پہنچ چکی ہے۔ حتی کہ انہوں نے خیال کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نفع اور نقصان کے مالک ہیں اور وہ پکارنے والے کی پکار کا جواب بھی دیتے ہیں اور یہ کہ ان کے قبضہ میں سب کچھ ہے۔ مثال کے طور پر تم شاعر کے اس شعر کو دیکھو۔

يا اكرم الخلق مالی من الوذ به   سواك عند نزول الحادث العمم

اے تمام مخلوق سے افضل۔ مصیبتوں کے نازل ہونے کے وقت آپ کے علاوہ میرے لئے کوئی بھی نہیں ہے جس کی میں پناہ لوں

اور مزید کہا۔   وان من جودك الدنيا و ضرّتها ۔ومن علومك علم اللوح والقلم

اور بے شک دنیا اور آخرت آپ کی سخاوت سے ہے۔ اور لوح وقلم کا علم بھی آپ کے علوم میں سے ہے۔

آپ کا کیا خیال ہے۔ اس شاعر نے اللہ وحدہ لاشریک لہ کے کیا چیز چھوڑی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی امید اور مصیبت کے وقت اپنی پناہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ کر دیا۔ اب یہ برابر ہے کہ اس نے اس سے قیامت کے دن کا ارادہ کیا ہو یا کسی اور مصیبت کے وقت کا۔

اس لئے کہ وہ اس دعاء سے بھول گیا ہے کہ اکیلا اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہر مصیبت میں پناہ گاہ ہے جیسا کہ اس نے دوسرے شعر میں اعتبار کیا ہے کہ دنیا اور آخرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل وکرم سے ہے اور اس طرح اس نے اس شعر میں دعویٰ کیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے علم کو لوح محفوظ میں اور جس پر تمام قلم جاری ہوا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی مدد سے لکھا ہے۔

اس شاعر کے لائق تو یہ تھا کہ وہ اپنے اس قول کا عکس کرتا اور کفر میں واقع ہونے سے محفوظ ہو جاتا۔ اب ذرا سوچو۔ کہ اس طرح کے غلو کا دعویٰ کرنے والے کے درمیان یہودیوں کے اس قول (عزير ابن الله) کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ اور نصاریٰ کے اس قول (المسيح ابن الله) کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بیٹے ہیں اور ان کے اس قول (انه ثالث ثلاثة) کہ وہ تینوں کا تیسرا ہے۔ کے درمیان کیا فرق ہے؟؟!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: **يا اهل الكتاب لا تغلوا فی دينكم** . (المائدة:٧٧)

''اے اہل کتاب تم اپنے دین میں غلو مت کرو''۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں غلو کرنے سے اپنی امت کو منع کیا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تطرونی كما أطرت النصاری ابن مريم فانما انا عبد فقولوا عبدالله و رسوله. (بخاری فی الانبياء ج ٤٧٨/٦ ومسند احمد ج ٢٣/١)

''(اے میری امت کے لوگو!) تم میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جس طرح نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا ہے میں بندہ ہوں پس تم (مجھے) اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو''۔

لاتطرونی کا معنی ہے کہ تم میری تعریف کرنے میں مبالغہ نہ کرنا جیسا کہ اہل کتاب نے اپنے نبیاء علیہم السلام کی تعریف کرنے میں مبالغہ آمیزی کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا فخر کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار ہیں۔ اور شفاعت کرنے والے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر والے ہیں اور مقام محمود والے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کئی خصوصیات کے مالک ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کا طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو اور مبالغہ کرنے میں نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ کی اتباع اور پیروی کرنے میں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعونی يحببكم الله. (آل عمران:٣١)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو پھر میری پیروی کرو۔ تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا''۔

لقد كان لكم فی رسول الله اسوة حسنة لمن كان يرجوا الله واليوم الآخر وذكر الله كثيرا(الاحزاب:٢١)

''یقیناً تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں عمدہ نمونہ موجود ہے ہر اس شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع کرتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے''۔

چار مسائل جن کا جاننا اوران پر عمل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے

(۱) علم (۲) اس پر عمل کرنا (۳) علم کی طرف لوگوں کو دعوت دینا (۴) علم کے بارے میں تکالیف آنے پر صبر کرنا

ان چار مسائل پر سورۃ العصر میں ترغیب آئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ،والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذ ین آمنوا و عملوا الصالحات و تواصوا بالحق وتواصوا بالصبر. (العصر)

''اللہ تعالیٰ بہت بڑی بخشش والے بڑے رحم والے کے نام سے شروع، زمانے کی قسم۔ بے شک انسان سرتاسر نقصان میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور جنہوں نے آپس میں حق کی وصیت کی ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمانے کی قسم اٹھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم اٹھائے۔ بخلاف مخلوق کے۔ ہمارے لئے مخلوق کے ہمارے لئے مخلوق کی قسم اٹھانا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کی یا اس کے اسماء وصفات کی قسم اٹھا سکتے ہیں۔ جواب قسم **ان الانسان لفی خسر** ہے الانسان میں لاف لام استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی تمام انسان خسارے میں ہیں۔ ماسوائے ان لوگوں کے جو چار صفات کے ساتھ متصف ہیں۔ یہ لوگ اس خسارے سے مستثنیٰ ہیں۔ اور وہ صفات یہ ہیں:

(۱): ایمان اب ضروری ہے کہ اس ایمان کی بنیاد علم پر ہو۔ اور علم اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء اور صفات کے ذریعے پہچان لینے کا نام ہے۔ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لینے اور دلیلوں سے دین اسلام کو پہچان لینے کا نام ہے۔ اور اس علم کے مقتضاء پر قولاً، عملاً اور اعتقاداً عمل کرنا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

فاعلم انہ لاالہ الااللہ واستغفر لذنبک. (محمد:۱۹)

''اے نبی تو یقین کرلے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگ''۔

امام بخاری نے ایک باب قائم کیا ہے جس کا انہوں نے عنوان، قول اور عمل سے پہلے علم کا بیان رکھا ہے۔ صحیح بخاری شرح مع فتح الباری ج۱/ ۱۵۹۔

(۲): دوسرے مسئلہ کی طرف **و عملوا الصالحات** ۔ کے ذریعے اشارہ کیا ہے۔ پس علم بغیر عمل کے بے جان جسم کی طرح ہے۔ کیونکہ بے جان جسم کا تو کوئی فائدہ نہیں ہے اسی طرح بغیر علم بغیر عمل کے کوئی فائدہ نہیں دیتا بلکہ وہ تو صاحب علم پر حجت اور دلیل ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

یا ایھا الذ ین امنوا لم تقولون ما لا تفعلون ، کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون. (الصف:۲-۳)

''اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے''۔

عمل اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک خالص اللہ تعالیٰ کی رضاء اور سنت کے موافق نہ کیا جائے۔

(۳): تیسرے مسئلہ کی طرف **و تواصوا بالحق** کے ذریعے اشارہ کیا ہے۔ اور یہ حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے علم اور اس پر عمل کرنے کی طرف دعوت دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی وسبحان اللہ وما انا من المشرکین. (یوسف)

''تو کہہ دے کہ میری راہ یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف میں اور میرے فرمانبردار بلا رہے ہیں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ۔ اور اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں''۔

(۴): چوتھے مسئلہ کی طرف **و تواصوا بالصبر** کے ذریعے اشارہ کیا ہے۔اس لئے جو آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں جو جو تکالیف اور مصائب آئیں ان پر صبر کرے۔اور انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کرے۔کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور دعوت وتبلیغ میں لگے رہے۔یہاں تک کے ان کو بھی دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں تکالیف اور ایذائیں پہنچیں۔

اس وقت یہ سورت بہت بڑی سورت ہے۔کیونکہ اس نے وہ چیز بیان کردی جس پر مسلمانوں کو ہونا مناسب اور ضروری ہے۔کہ اسلام کیلئے عملی تطبیق اس سورت پر کرے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کردے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر یہی ایک سورت نازل کرتا تو ان کی نجات کیلئے یہ ایک سورت ہی کافی ہوتی۔

اسلام،ایمان اور احسان

(۱) اسلام: اسلام کا لغوی معنی ہے کہ آدمی توحید کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ کا مطیع وفرمانبردار ہوجائے۔اور اطاعت کے ذریعے اس کا تابعدار ہوجائے اور شرک سے پاک اور صاف ہوجائے اور مشرکین سے اپنی برأت کا اظہار کرے۔

جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حکایت نقل کرتے ہوئے فرمایا:

واذ قال ابراهيم لأبيه وقومه انني براء مما تعبدون الا الذ ی فطرنی فانه سيهد ين ، وجعلها كلمة باقية فی عقبه لعلهم يرجعون. (الزخرف:۲۶-۲۷-۲۸)

''اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو بجز اس اللہ کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہ ہدایت بھی کرے گا. ابراہیم علیہ السلام اسی کو اپنی اولاد میں بھی باقی رہنے والی بات قائم کرگئے تاکہ لوگ باز آجائیں''۔

اسلام کے پانچ رکن ہیں۔(۱) لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینا (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوۃ ادا کرنا (۴) رمضان شریف کے مہینے کے روزے رکھنا (۵) بیت اللہ کا حج ادا کرنا۔جس کو اس کی طرف جانے کی طاقت حاصل ہو۔

(۱) لا الہ الا اللہ کی گواہی کا معنی یہ ہے کہ ماسوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حقیقی معبود کوئی نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کرنا۔اور جس کے متعلق انہوں نے خبر دی ہے تصدیق کرنا۔اور جس سے انہوں نے منع کیا ہے اس سے رک جانا۔اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت مشروع طریقہ سے کرنا۔

(۲) ایمان: ایمان لغت میں تصدیق کرنے کو کہتے ہیں۔اور شرعًا۔زبان سے اقرار کرنے دل سے تصدیق کرنے اور جوارح سے عمل کرنے کو کہتے ہیں۔ایمان کی یہی صحیح ترین اور راجح تعریف ہے۔اس کی تصدیق قرآن وسنت کی نصوص بھی کرتی ہیں۔اور یہی تعریف سلف صالحین سے منقول ہے۔

قرآن وسنت کی نصوص ایمان کی کمی وزیادتی پر بھی دلالت کرتی ہیں۔کہ ایمان اطاعت کرنے سے زیادہ ہوتا ہے اور نافرمانی ومعصیت سے کم ہوتا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

والذ ين اهتدوا زادتهم هدى و آتاهم تقواهم. (محمد :۱۷)

''اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت میں اور بڑھادیا ہے اور انہیں ان کی پرہیزگاری عطا فرمائی''۔

انما المؤمنون الذ ين اذا ذكر الله اجلت قلوبهم و اذا تليت عليهم آياته ايمانا و على ربهم يتوكلون.

''بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔اور جب اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر ان کو سنائی جاتی

ہیں تو یہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر توکل اور بھروسہ کرتے ہیں''۔ (الانفال:۲)

هو الذی انزل السکینة فی قلوب المؤمنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانهم . (الفتح :٤)

''وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون واطمینان ڈال دیا تا کہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الایمان بضع وسبعون شعبة اعلاها لااله الااللّٰه وادناها اماطة الاذیٰ عن الطریق والحیاء شعبة من الایمان

''ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔سب سے اعلیٰ شعبہ لاالہ الا اللہ ہے اور سب سے کم شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔اور حیاء بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ (ابوداؤد فی السنۃ ج۵/ ۵۶ والنسائی فی الایمان ج۹/ ۹۷)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یخرج من کان فی قلبه مثقال ذرة من ایمان . (بخاری ج ۳۱/ ۳۹۳ و مسلم ج ۱/ ۱۷۲)

''جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا تو اسے جہنم سے نکالا جائے گا''۔

ایمان کی کمی اور زیادتی پر صریح اور واضح دلیلیں ہیں۔جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔جو لوگ ایمان کی کمی اور زیادتی کے قائل نہیں ان کے قول کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔اس لئے ان کا قول قرآن وحدیث کی مذکورہ بالا دلائل کے خلاف ہے۔جن لوگوں نے ایمان کی عدم کمی اور زیادتی پر جن دلیلوں سے سہارا لیا ہے تو ان میں سے کوئی بھی دلیل صحیح طور پر ثابت نہیں ہے۔ہم بطور مثال کے پیش کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ ثقیف کا ایک وفد آیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول۔کیا ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے؟!

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا – ایمان مکمل فی القلب و زیادته کفر ونقصانه شرک.

''نہیں۔ایمان دل کے اندر مکمل ہے اور اس کی زیادتی کفر ہے اور اس کا نقصان شرک ہے''۔

یہ حدیث موضوع ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ نے اس پر متنبہ کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند ابولیث سے لے کر ابو مطیع تک مجہول راویوں کی ہے۔اور تاریخ کی کتابوں میں ان کو کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔ابو مطیع حکم بن عبداللہ بن مسلمہ بلخی ہے۔امام احمد اور یحیی بن معین وغیرھما نے اس کو ضعیف کہا ہے۔اور ابوالمھزم۔وہ یزید بن سفیان ہے اور یہ بھی ضعیف راوی ہے۔امام نسائی فرماتے ہیں۔کہ یہ متروک ہے اور امام شعبہ نے اس پر حدیث گھڑنے کی تہمت لگائی ہے۔چنانچہ امام شعبہ نے فرمایا ہے۔کہ اگر لوگ اس کو دو پیسے دے دیں تو ان کو ستر حدیثیں بیان کر دے گا۔

ایمان کے چھ رکن ہے۔(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان لانا۔(۲) اس کے فرشتوں پر ایمان لانا۔(۳) اس کی کتابوں پر ایمان لانا۔(۴) اس کے رسولوں پر ایمان لانا (۵) قیامت کے دن پر ایمان لانا (۶) اللہ تعالیٰ کی ہر اچھی وبری تقدیر پر ایمان لانا۔

(۳) احسان: احسان یہ ہے کہ آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت اس طرح کریں گویا آپ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔اگر آپ اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ چھپ کر اور اعلانیہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا مراقبہ ہو۔جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا اور اس سے ڈرنے والا شخص مراقبہ کرتا ہے۔

اسلام۔ایمان اور احسان کے بیان میں مسلم شریف میں حدیث آئی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ہمارے سامنے سفید کپڑوں والا اور سخت سیاہ بالوں والا آدمی آیا اس سفر کا

کوئی اثر دکھائی نہیں دے رہا تھا اور ہم میں سے اس کو کوئی پہچانتا بھی نہیں تھا حتی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور اس نے اپنے گھٹنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں مبارک سے لگا دیئے اور اس نے اپنے ہاتھ رانوں پر رکھے اور عرض کی اے محمد مجھے اسلام کے بارے میں خبر دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ آپ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی حقیقی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور آپ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور رمضان کے روزے رکھیں اور اگر آپ کے پاس بیت اللہ کی طرف سفر کرنے کی طاقت ہے تو حج کریں۔ تو اس نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے اس پر تعجب کیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال بھی کر رہا ہے اور آپ کی تصدیق بھی کر رہا ہے پھر اس نے عرض کی کہ مجھے ایمان کے بارے میں خبر دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاؤ اور اس کی ہر اچھی و بری تقدیر پر ایمان لاؤ تو اس نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ تو اس نے عرض کی مجھے احسان کے بارے میں خبر دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر آپ اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔ تو پھر اس نے عرض کی مجھے قیامت کے بارے میں خبر دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسئول۔ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ تو پھر اس نے عرض کی کہ مجھے قیامت کی نشانیوں کے ابرے میں خبر دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باندھی اپنی مالکہ کو جنے گی اور آپ دیکھیں گے ننگے پاؤں والے اور ننگے بدن والے تنگدستوں کو اور بکریوں کے چرواہوں کو اپنی عمارتوں کو اونچا بناتے ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر وہ آدمی چلا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر ٹھہرے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے فرمایا اے عمر کیا تم جانتے ہو کہ یہ سائل کون تھا تو میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے جو تم کو تمہارا دین سکھانے کے لئے تمہارے پاس آئے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے یہ ویب پیج مکمل ہوا

نام کتاب.....عقیدہ توحید

تالیف .....ڈاکٹر صالح بن سعد **السجیمی** حفظہ اللہ

ترجمہ .....عبدالخالق بن محمد عزیر

ناشر .....مرکز الامام ابن تیمیہ للبحوث العلمیہ کراچی پاکستان